ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

جلد: 22 | شمارہ: 06 | جون 2013ء/شعبان 1434ھ

بسم اللہ



عہدِ خلافتِ راشدہ اور عہدِ حاضر

حکمرانوں کی ترجیحات کا اندازہ

2 امریکی قیدی انٹرویو



50 کے متعلق صحیح احادیث

PML(N)

Pakistan Muslim League

پاکستان مسلم لیگ ن

بھاری مینڈیٹ

بھاری آزمائش

اللہ کے ذکر سے

روحانی وجسمانی علاج



شام میں مسلمانوں کا قتل عام... آخر کب تک؟

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

جلد:22| شمارہ:06 | جون 2013ء / شعبان 1434ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمرالحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم
آرٹ اینڈ ڈیزائن | طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

محمد صفت الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) وسیم احمد کیلانی (کمپوزنگ)
خطاطی اکرام الحق قانونی مشیر ملک نور محمد سرفراز

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ: موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی 823 71 70 300 92+
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی 034 79 75 313 92+
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور



تجلیات قرآن 11
اللہ..... محبتوں کا محور
عبداللہ یوسف ذہبی



انوارِ حدیث 17
بسم اللہ سے متعلق 50 صحیح احادیث وآثار
فضل اکبر کاشمیری



سیاسیات 32
حزب اقتدار اور حزب اختلاف
حافظ محمد حق نواز



عقائد 43
حفاظت دین کے تین ذرائع
مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

اداریہ	شام میں مسلمانوں کا قتل عام	عبدالمالک مجاہد	6
تجلیات قرآن	اللہ.....محبتوں کا محور	عبداللہ یوسف ذہبی	11
انوارِ حدیث	بسم اللہ سے متعلق 50 صحیح احادیث وآثار	فضل اکبر کاشمیری	17
احکام و مسائل	کیا عورت تنہا سفر کر سکتی ہے؟	حافظ شبیر صدیق	20
تاریخ اسلام	عہد خلافتِ راشدہ اور عہد حاضر	محمد نعمان فاروقی	25
افتاء و ارشاد	آپ کے سوالات اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	29
سیاسیات	حزب اقتدار اور حزب اختلاف	حافظ محمد حق نواز	32
تزکیہ نفس	رزقِ حلال ہی کیوں؟	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	36
ذکر و اذکار	اللہ کے ذکر سے روحانی وجسمانی علاج	پروفیسر سید ضیاء الرحمٰن گیلانی	40
عقائد	حفاظت دین کے تین ذرائع	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ	43
مکتوب الریاض	والدین کو راضی رکھنے کے چند سنہرے اصول	عبدالمالک مجاہد	46
پکار	ہوا چلی تو اڑنے لگے خاک و پر	خدیجہ ادریس فاروقی	50
مکتوب امریکہ	دو قیدیوں سے انٹرویو	حافظ عبدالوحید سوہدروی	52
گوشہ خواتین	پیاری والدہ محترمہ کی یاد میں	طارق جاوید عارفی	55
رپورٹ	نیپال میں دارالسلام کی برانچ	شمیم احمد ندوی	61
عالم اسلام	موریتانیا	محسن فارانی	63
اخلاقیات	ایک پیغام مذہبی راہنماؤں کے نام	ساجد الرحمٰن بہاولپوری	66
طب و سائنس	چاول	ڈاکٹر طارق ریاض	69
ملکی صورتحال	بھاری مینڈیٹ..... بھاری آزمائش	محمد انیس الرحمٰن	71
سخن گسترانہ	نواز شریف ہیرو بن سکتے ہیں	خالد سیال	74

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون
سعودی عرب 100 ریال
یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ زرتعاون عام ڈاک سے -/400 روپے رجسٹرڈ ڈاک -/800 روپے

ہماری آواز

شام میں مسلمانوں کا قتل عام .... آخر کب تک....

شام میں قتل و غارت شروع ہوئے کم و بیش ڈھائی سال ہو رہے ہیں۔ اس دوران اس خوبصورت ملک میں کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد لوگ قتل ہو چکے ہیں۔ جیلوں میں اذیت وتشدد سے دو چار قیدیوں کی صحیح تعداد تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، مگر ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد بھی دو لاکھ سے کم نہیں۔ یہ قیدی بدترین زندگی گزار رہے ہیں۔ اس قتل و غارت میں آئے دن مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مقتولین کی تعداد ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔

شام میں یہ واقعات کیوں اور کیسے شروع ہوئے، آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

ملک شام کو عربی زبان میں سوریا اور انگلش میں (Syria) کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں ہم اس ملک کو شام کہتے ہیں۔ عربوں میں بھی شام کا لفظ مستعمل ہے مگر اس کا اطلاق اب دمشق اور اس کے اردگرد کے علاقے پر ہوتا ہے جبکہ ماضی میں سوریا، لبنان، فلسطین اور اردن پر مشتمل وسیع تر علاقہ شام کہلاتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے نومبر 1998ء میں شام کا سفر کیا تھا۔ مجھے بچپن ہی سے اس ملک کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اس وقت میں اپنے ایک سعودی دوست کے ساتھ سیر وسیاحت کے لیے پہلے ترکی اور پھر دمشق چند دنوں کا پروگرام لے کر گیا تھا۔ شام پر 1963ء سے بعث پارٹی حکومت کرتی چلی آ رہی ہے۔ اس ملک پر ایک زمانے میں فرانس کا تسلط تھا جس سے یہاں کے عوام نے طویل عرصے تک قربانیاں دے کر آزادی حاصل کی تھی۔ حزب البعث کی حکومت کے تعلقات روس کے ساتھ بڑے قریبی رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی روس کا اثر ورسوخ یہاں باقی ہے۔ یہاں کے لوگ ایک مدت تک فرنچ زبان بولتے اور پڑھتے رہے۔ اب ان لوگوں نے انگلش زبان سیکھنی اور بولنی شروع کر دی ہے۔ حزب البعث ایک اشتراکی جماعت ہے۔ اس کی حکومت میں روسی افکار کا بڑا عمل دخل ہے۔ مذہبی اعتبار سے یہ لوگ شیعوں کے نہایت متعصب اور غالی گروہ علوی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اعتقادات اہل سنت والجماعت سے حد درجہ متصادم ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس فرقے کو کافر قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتب کی اشاعت اور فروخت سختی سے منع ہے۔

میں پہلی مرتبہ جب شام گیا تو اس وقت موجودہ حکمران بشار الاسد کے والد حافظ الاسد کی حکومت تھی اور اس کے اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ لیکن 1997ء کے دوران میں ایک وقت ایسا آیا کہ ملک بھر میں حکومت کے خلاف بھرپور تحریک شروع ہوئی جو 1982ء تک جاری رہی۔ اس دوران میں اخوان المسلمین سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو چن چن کر شہید کیا گیا۔ لاکھوں مسلمان جان بچانے کے لیے سعودی عرب، مصر، عراق، ترکی، اردن اور لبنان میں پناہ گزین ہوئے۔ شامی حکومت نے ان کی عدم موجودگی میں ان پر مقدمات چلائے۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے مہاجرین تھے جن کو آج تک وطن واپس جانا نصیب نہیں ہوا۔ میں پہلی مرتبہ نومبر 1998ء میں اس ملک کی سیر وسیاحت کے لیے گیا تو ''حماۃ'' کے شہر پر ہو کا عالم طاری تھا۔ میں نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے دیکھا کہ پہاڑیوں پر توپیں نصب تھیں۔ میرے علم میں تھا کہ حماۃ شہر میں کم از کم بیس ہزار مسلمانوں کو شہید کیا گیا ہے۔ ہم بازار میں بطور ٹورسٹ داخل ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ بازار میں دیواروں پر لاکھوں کی تعداد میں گولیوں کے نشانات ہیں۔

ہم وہاں بازار میں تھے۔ میں شہداء کے لیے آنسو بہا بہا کر روتا رہا۔ اس دوران میں، میں نے اپنا منہ اپنی ٹانگوں میں چھپایا ہوا تھا۔ مجھے پہلے سے

بتا دیا گیا تھا کہ یہاں ہر دوسرا تیسرا آدمی خفیہ ایجنسی سے تعلق رکھتا ہے۔ میں شہداء کو خراج تحسین پیش کرتا رہا۔ حکومت نے تھوڑا عرصہ پہلے ہی بغاوت کو سختی کے ساتھ کچلا تھا۔ میرے ساتھ اس سفر میں ایک سعودی بھی تھا جس کے بھائی کا یہاں کثرت سے آنا جانا تھا۔ وہ ان دنوں ایک گاؤں کے چودھری کا مہمان تھا۔ ہم بھی ان سے ملنے کے لیے گئے تو ہمارا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ گاؤں میں بالکل پنجاب کی طرح چوپال تھا۔ چودھری صاحب کا نام تو میں بھول گیا ہوں تاہم ان کی میزبانی آج بھی یاد ہے۔ میں جذباتی تھا، حافظ الاسد کی حکومت کو بھری مجلس میں کھری کھری سنا دیں۔ چودھری صاحب نے بات کو ٹالنے کی خاصی کوشش کی، مگر میں نتائج سے غافل ہو کر باتیں کیے چلا جا رہا تھا۔ اچانک چودھری صاحب نے مجھ سے پوچھا: عبدالمالک! ذرا یہ تو بتاؤ، سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب قبطی کو مارنے کے بعد مصر سے نکلے تھے تو ان کی کیا حالت تھی؟ میری زبان سے نکلا: ''خَائِفًا يَتَرَقَّبُ'' یعنی وہ ڈرتے ڈرتے، سہمے ہوئے، محتاط انداز سے وہاں سے نکلے تھے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے: بس اپنی جان بچاؤ۔ کہیں مصیبت میں نہ پھنس جانا۔ میرے لیے یہ نصیحت کافی تھی۔ میں نے موضوع تبدیل کر لیا اور دوران سفر بڑے محتاط انداز میں گفتگو کرتا رہا۔

دارالسلام کی تشکیل کے بعد 1991ء سے میرا دارالفیحاء دمشق سے رابطہ ہوا۔ اس کے مالک یاسر طباع دمشق کے اصل باشندے ہیں اور وہی شام اور لبنان میں دارالسلام کے ایجنٹ بھی ہیں۔ ہم بیروت سے جتنی کتب بھی شائع کرتے ہیں سبھی انھی کی معرفت طبع ہوتی ہیں۔ میں نے پہلی بار 1991ء میں دمشق اور پھر وہاں سے بیروت کا سفر کیا تھا۔ اس کے بعد اللہ ہی جانتا ہے کتنی بار دمشق اور بیروت کا سفر کرنے کا موقع ملا۔ اندازہ ہے کہ کم وبیش 30 سے 35 مرتبہ تو ضرور گیا ہوں گا۔ آج جب میں اس ملک کے حالات پر نظر ڈالتا ہوں تو واقعی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مجھے تاریخی مقامات سے شروع ہی سے دلچسپی ہے۔ مسجد اموی کی تاریخ تو بچپن میں پڑھی تھی۔ بلاشبہ میں صرف دو یا تین دن کے لیے دمشق ٹھہرتا تھا، مگر اس شہر کی رونقیں اور اس کے حسین وجمیل بازار کیسے بھول سکتا ہوں۔ دمشق ائیر پورٹ پر کئی مرتبہ مجھے مہمان کا پروٹوکول دیا گیا۔

ہم دمشق سے بذریعہ ٹیکسی تین گھنٹوں میں بیروت پہنچ جایا کرتے تھے، پھر میں بیروت سے ریاض کی فلائٹ لے لیتا۔ دمشق کوئی بہت بڑا شہر نہیں۔ اندرون شہر اندرون لاہور سے ملتا جلتا ہے۔ وہی چھوٹی چھوٹی گلیاں اور بازار جہاں جگہ جگہ مساجد ہیں۔ کبھی اس شہر میں ابن تیمیہ کے علم وفضل کا ڈنکا بجتا تھا۔ میں نے اہل حدیث مدارس کے ان کھنڈروں کو بھی دیکھا ہے، جہاں کبھی حدیث پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی۔ جامع مسجد اموی میں نجانے کتنی بار نمازیں پڑھیں۔ دو مرتبہ تو نماز جمعہ پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ میں نے اس قلعہ کو بھی دیکھا جہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ مدتوں قید وبند میں رہے اور پھر وہیں سے ان کا جنازہ اٹھا۔ میں ان کی قبر پر گیا تو دیکھا کہ یہاں دو متوازی قبریں ہیں۔ ایک امام ابن کثیر کی ہے اور دوسری ان کے گرامی قدر استاد امام ابن تیمیہ کی ہے۔ پہلی مرتبہ محدث شام شیخ عبدالقادر ارناؤوط رحمہ اللہ کے ہمراہ ان قبروں کو دیکھنے اور ان کے مکینوں لیے دعائے مغفرت کا موقع ملا تھا۔ دمشق شہر کے ایک طرف جبل قاسیون ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا آدم رحمہ اللہ کے دونوں بیٹوں ہابیل اور قابیل کے درمیان جھگڑا اسی جبل قاسیون پر ہی ہوا تھا اور وہیں ہابیل کو شہید کیا گیا تھا۔ پہاڑوں کے بیچوں بیچ ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے، یہاں ایک لمبی قبر ہے جس کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ یہ قبر ہابیل کی ہے۔ جبل قاسیون سے دمشق شہر بالکل اسی طرح نظر آتا ہے جس طرح کہ شہر دونوں ہاتھوں میں آ گیا ہو۔ رات کا منظر اس قدر خوبصورت ہوتا ہے کہ جبل قاسیون پر کھڑے ہو کر دمشق کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا آسمان سے جگمگاتے ستارے نیچے اتر آئے ہیں۔ مجھے درجنوں بار جبل قاسیون پر بیٹھ کر رات کا کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ شروع شروع میں یہاں رش نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا اور سڑک کوئی زیادہ چوڑی نہ تھی۔ مگر آج سے 5 سال قبل تک یہاں بے شمار ریسٹورنٹ بن چکے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں رات کے وقت یہاں کا موسم بے حد خوشگوار ہوتا ہے۔

شہر سے کوئی پچیس تیس کلومیٹر مغرب کی جانب ''عَيْنُ الْفِيجَة'' ہے۔ یہاں سے ایک نہر دمشق کی طرف جاتی ہے جس کا پانی بہت صاف وشفاف ہے۔ اس میں خاصی تعداد میں مچھلیاں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہاں کا پانی بڑا میٹھا اور صحت مند ہے۔ کہتے ہیں: اہل دمشق عین الفیجہ ہی کا پانی پیتے

ہیں۔اس چھوٹی سی نہر کے کنارے کئی کلومیٹر تک چھوٹے چھوٹے مگر نہایت صاف ستھرے ریسٹورنٹ ہیں۔ یہاں حفظان صحت کے اصولوں کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے۔

قارئین کرام! اگر کبھی موقع ملا تو میں پوری تفصیل سے اس شہر کے بارے میں لکھوں گا۔دکھ اور صدمے کی بات یہ ہے کہ گزشتہ تین سال سے یہ ملک جہنم کا نمونہ بن چکا ہے۔آپس کی خانہ جنگی نے اس ملک کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ بازاروں کی رونقیں اجڑ گئی ہیں۔اس ملک میں ہر سال گرمی کی چھٹیوں میں عرب ممالک سے لاکھوں سیاح آتے تھے،مگر اب یہاں ٹورسٹوں کی تعداد صفر ہے۔لوگوں کو اپنی جان کا ڈر ہے۔1991ء کے اوائل میں اس شہر کی مساجد خالی ہوتی تھیں۔حکومت کی سختیوں کی وجہ سے مساجد میں صرف بوڑھے ہی نظر آتے تھے،مگر پھر آہستہ آہستہ اسلامی بیداری پھیلتی چلی گئی۔مساجد کی رونقیں بحال ہوتی چلی گئیں۔نوجوان کثرت سے مساجد میں نظر آنے لگے۔کاروباری حالات بہتر ہوتے چلے گئے۔ اس ملک میں لوڈشیڈنگ کا کوئی تصور نہ تھا۔بجلی اتنی زیادہ تھی کہ ہمسایہ ممالک کو بھی فروخت کی جاتی تھی،مگر اچانک اس ملک کو کسی کی نظر لگ گئی۔

میں نے یاسر سے پوچھا: آخر یہ سب ہوا کیسے کہ ایک پرامن ملک میں اس طرح کے خوں ریز ہنگامے شروع ہو گئے جو حکومت کے کنٹرول سے باہر ہو گئے۔انھوں نے تفصیل سے خرابیِ حالات کی نقشہ کشی کی۔

اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ یہاں پر حافظ الاسد کی حکومت تھی۔ پھر اس کے بیٹے بشار الاسد نے حکومت سنبھال لی۔ حافظ الاسد کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام باسل تھا۔ باپ کی زندگی ہی میں اس کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا جس میں یہ وفات پا گیا۔اس کا سوگ مدتوں منایا جاتا رہا۔ یہاں پر خفیہ والوں کی کس طرح کی حکومت ہے؟ اس کا اندازہ باسل کی موت کے بعد والے حالات سے لگائیں۔یہ صورت حال مجھے محدث شام شیخ عبدالقادر نے خود بتائی تھی۔ ملک کے طول وعرض میں جگہ جگہ باسل کی تعریف میں قد آدم پوسٹر اور اشتہارات لگا دیے گئے تھا۔(کلنا باسل) ''ہم میں سے ہر شخص باسل ہے'' اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باسل ہے۔نجانے کتنے ہی نعرے تھے جو شام کے در و دیوار پر نظر آتے تھے'لوگ تنگ آ گئے۔ایک مرتبہ ایک میجر جنرل کی زبان سے صرف اتنا سا جملہ نکل گیا: ''اب رہنے بھی دو، ہر وقت باسل' باسل'' ۔ٹھیک دو یا تین گھنٹے بعد اس جنرل کو فوج سے نکال دیا گیا۔ خفیہ کا نظام اتنا سخت تھا کہ ہر گھر میں ایک خفیہ والوں کا آدمی تھا۔ یہ بیوی' یا خاوند یا بیٹے اور بیٹی کی صورت میں تھا۔گھر کے افراد میں لازمًا ایک خفیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ایک ہی گھر میں ایک سے زائد یا گھر کے سارے افراد ہی خفیہ محکمہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ حافظ الاسد کے ایام کی بات ہے۔ بشار الاسد نے انگلینڈ سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں ہی اس کی دوستی ایک فلسطینی نژاد لڑکی سے ہوئی جو غالبًا اس کی کلاس فیلو تھی۔ اس کا تعلق اہل سنت والجماعت سے تھا۔ایسے لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ پھر بھی نام کی سہی۔ جب ان کی شادی ہوئی تو اہل سنت والجماعت کے لوگوں نے اسے غنیمت جانا کہ چلو بیوی ہی سہی کوئی تو ان کے گھر میں سنی مسلمان آیا ہے۔

حافظ الاسد کو کینسر کا مرض تھا۔اس نے شام پر طویل عرصہ حکومت کی۔یکم جولائی 2000 میں بشار کی حکومت آئی تو ملک کے حالات میں کچھ بہتری نظر آئی،مگر یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر دس شامیوں پر ایک خفیہ والا مسلط ہے۔ان سرکاری ایجنٹوں کی شکل وصورت سے ہی نحوست ٹپکتی ہے۔ان میں سے کوئی آپ کے پاس سے گزرے تو اگر آپ ذہین ہیں تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کون گزرا ہے؟ بظاہر ملک کے حالات ٹھیک تھے۔ بیرونی سرمایہ کاری بھی ہوئی۔ یہاں پر اعلیٰ درجے کے ہوٹل کم تھے۔سعودی عرب کے پرنس ولید بن طلال نے فائیو سٹار ہوٹل بنوایا۔ چونکہ گرمیوں میں خلیجی ممالک سے لاکھوں سیاح آتے تھے،اس لیے بڑے بڑے خوبصورت ریسٹورنٹ شہر سے باہر بن گئے۔ایک ایک ریسٹورنٹ میں بعض اوقات 2 سو سے زائد کرسیاں ہوتی تھیں۔انواع واقسام کے کھانے قدرے سستے مل جاتے تھے۔

''درعا'' کوئی بڑا شہر نہیں، یہ اردن کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ مجھے اردن جاتے ہوئے راستے میں اس خوبصورت شہر کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ شہر ارض مقدسہ میں واقع ہے جس کے بارے میں سورۃ الاسرا میں ذکر ہوا ہے کہ ہم نے بیت المقدس کے اردگرد کے علاقے میں برکتیں دے رکھی

ہیں۔ دمشق سے درعا کی طرف چلیں تو راستے میں دونوں طرف کثرت سے زیتون کے درخت ہیں۔ یہاں کی گندم دنیا کی بہترین گندم ہے۔

26 فروری 2011ء کی بات ہے کہ درعا کے ایک سکول کے پندرہ کے قریب طلبہ نے سکول کی دیواروں پر اور بعض گلیوں اور بازاروں کی دیواروں پر چند عبارتیں لکھیں جن میں لکھا تھا: ہمیں آزادی چاہیے۔ نظام حکومت کو بدلنا ہوگا۔ یہ عبارتیں بغیر کسی منصوبہ بندی کے لکھی گئی تھیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ چند شریر لڑکوں نے اپنے طور پر ہی دیواروں پر نعرے لکھ دیے تھے۔ اگلے روز صبح سویرے خفیہ پولیس کے چند کارندے سکول میں آتے ہیں اور بلا امتیاز لڑکوں کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار پیٹ اتنی زیادہ تھی کہ لڑکوں کے دل دہل گئے۔ خفیہ والوں کا کہنا تھا: ہمیں ہر حالت میں ان لڑکوں کو تلاش کرنا ہے جنھوں نے دیواروں پر لکھائی کی ہے۔ جب لڑکوں کو حد سے زیادہ مارا گیا تو جن لڑکوں نے دیواروں پر لکھا تھا وہ باہر آ گئے اور انھوں نے کہا: ہاں! ہم نے لکھائی کی تھی۔ ان لڑکوں کو گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا۔ ادھر جب ان لڑکوں کے والدین کو معلوم ہوا کہ ہمارے لڑکوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے تو ان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے درعا کوئی بڑا شہر نہیں ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ہر مجلس، ہر گھر میں ان لڑکوں کی گرفتاری زیر بحث تھی۔ اہل درعا جانتے تھے کہ ہمارے ہاں خفیہ والے کتنے ظالم ہیں۔ شام میں بھی قبائلی سسٹم ہے۔ اب بھی وہاں بڑے بڑے قبائل ہیں۔ ان کے اپنے سردار ہیں۔ لوگ رئیس قبیلہ کے پاس گئے، ان کو لڑکوں کی گرفتاری سے آگاہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے بچوں کی رہائی کے لیے کوشش کریں۔ اس دوران میں خفیہ والوں سے رابطے میں تین چار دن گزر جاتے ہیں۔ والدین ہی نہیں درعا کے باقی باشندے بھی سخت بے چین ہیں۔ جن ماؤں کے جگر گوشے ظالم اور وحشی پولیس کے پاس ہوں، ان کو سکون اور چین کیسے آ سکتا ہے۔ رئیس قبیلہ کی کوششوں کے بعد اسے خفیہ والوں کے ہیڈ کوارٹر میں جانے کی اجازت مل جاتی ہے۔

وہاں انٹیلی جنس کا جو چیف آفیسر تھا وہ بشار الاسد کا قریبی رشتہ دار تھا۔ غالباً خالہ زاد بھائی تھا۔ رئیس قبیلہ اس سے ملتا ہے اور بچوں کے بارے میں درخواست کرتا ہے کہ یہ ناسمجھ بچے تھے، ان سے غلطی ہوگئی ہے، ان کو معاف کر دیں اور انہیں رہا کر دیں۔ چیف نے رعونت سے جواب دیا: ان بچوں کو بھول جائیں۔ سردار قبیلہ نے بار بار معافی مانگی مگر چیف کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔ اس میں واقعی سریا آیا ہوا تھا۔ اس نے معافی کی درخواست کو مسترد کر دیا تو رئیس قبیلہ نے اپنی پگڑی اتار کر چیف کے قدموں پر رکھ دی۔ چیف نے اس پگڑی کو اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ رئیس قبیلہ کوئی عام شخص نہ تھا، وہ صبر و تحمل سے اپنی توہین برداشت کرتا رہا اور بار بار کہتا رہا: جناب! میں نے اپنی قوم کو، قبیلے کو جواب دینا ہے۔ آپ میری ان لڑکوں سے ملاقات کروا دیں۔ چیف نے رعونت سے کہا: تم انھیں ضرور دیکھنا چاہتے ہو؟ جواب میں اس نے کہا: ہاں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔ ادھر لڑکوں کی حالت یہ کر دی گئی کہ یہ بے چارے اپنے قدموں پر چل نہیں سکتے تھے۔ ان میں ایک کے سر پر بجلی کے اتنے زیادہ جھٹکے دیے گئے تھے کہ اس کا سر نیلا ہو چکا تھا۔ ان پر تشدد اتنا زیادہ کیا گیا تھا کہ رئیس قبیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے بتایا گیا کہ ان میں سے دو یا تین وفات پا چکے ہیں۔ جو زندہ بچ گئے تھے، وہ بھی چند گھنٹوں کے مہمان تھے۔

چیف نے کہا: میں نے تم سے کہا تھا کہ ان لڑکوں کو اب بھول جاؤ اور پھر اس بدبخت کی زبان سے ایسے زہریلے الفاظ نکلتے ہیں جن کو سن کر انسانیت کانپ جاتی ہے۔ چیف نے سر اٹھایا اور رئیس قبیلہ سے کہا: ان لڑکوں کی ماؤں سے کہو کہ اگر تمھیں اولاد سے محبت ہے تو یہ بچے تو اب نہیں ملیں گے نہ ان کی لاشیں ملیں گی۔ اگر تمھیں بچوں سے بہت زیادہ محبت اور ملنے کا شوق ہے تو اور بچے پیدا کر لو۔ پھر چیف نے رئیس قبیلہ کو بڑے تضحیک آمیز انداز میں ایک ایسی بات کہی جو اس کے دل کو چیر کر اتر گئی۔ اس نے رئیس قبیلہ کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا: دیکھو! اگر تم مرد اب اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے تو اپنی عورتیں ہمارے حوالے کر دو، ہم تمھیں ان عورتوں سے اولاد پیدا کر دیں گے۔

قارئین کرام! میں آپ کو یہ افسانہ نہیں سنا رہا۔ اس واقعہ کی تصدیق شام کے کئی حضرات نے کی ہے۔ رئیس قبیلہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اب مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ وہ انٹیلی جنس کے دفتر میں اکیلا گیا تھا یا اس کے ساتھ وفد بھی تھا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ پورا ''درعا'' شہر منتظر تھا کہ رئیس قبیلہ کیا

خوشخبری لے کر آتا ہے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ ان کے پیاروں کے ساتھ کیا بیت چکی ہے۔ رئیس قبیلہ جب واپس آیا اور اس نے پورا واقعہ سنایا تو اس سے ''درعا'' میں کہرام مچ گیا۔ پورا شہر اس ظلم اور زیادتی پر احتجاج کرتا ہوا گھروں سے باہر نکل آیا۔ وہ اپنے بچوں کی لاشوں کا مطالبہ کر رہے تھے۔ شہر کا کوئی مرد' کوئی عورت' کوئی جوان ایسا نہیں تھا جس نے جلوس میں شرکت نہ کی ہو۔ احتجاج اور جلوسوں کا یہ سلسلہ اس دن سے شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ جب ملک کے دوسرے حصوں میں یہ خبریں پہنچیں تو وہاں بھی لوگ شدید غیظ وغضب کے عالم میں گھروں سے نکل آئے۔

اوپر میں لکھ چکا ہوں کہ کم از کم دو لاکھ افراد جیلوں میں ہیں۔ ان میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ وہاں تشدد کے ساتھ ساتھ ان کی عصمت دری بھی کی جاتی ہے۔ بشارالاسد کی حکومت نے سنی مسلمانوں پر جو ظلم وستم کیے ہیں اور جس بے دردی سے قتل عام کیا ہے اس کی مہذب معاشروں میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ میرے کئی شامی دوست مجھ سے کہتے ہیں: یہ بدبخت ظلم وستم اور غیر انسانی سلوک میں ہلاکو اور چنگیز خان سے بھی آگے نکل گیا ہے۔

اہل درعا نے جلوس نکالا تو ان پر ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کی گئی۔ جو مسلمان شہید ہوئے وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے، مگر جو کم نصیب لوگ زخمی ہوئے ان کے بارے میں حکومت نے اعلان کیا کہ ان کا کسی سرکاری ہسپتال میں علاج نہیں کیا جائے گا۔ ان کے علاج پر پابندی لگا دی گئی۔ اس شہر کے ڈاکٹروں نے رضا کارانہ طور پر ان لوگوں کا علاج شروع کیا۔ ہسپتال تو تھے نہیں اس لیے ان زخمیوں کے علاج کے لیے شہر کی سب سے بڑی مسجد میں ایک عارضی ہسپتال بنایا جاتا ہے اور وہیں ان کا علاج شروع ہوتا ہے۔ بے شمار زخمی کراہ رہے تھے کہ اسی دوران میں حکومت نے کریک ڈاؤن شروع کر دیا۔ بے شمار مرد' عورتیں اور بچے گرفتار ہوئے۔ ادھر مسجد پر گولیاں چلا کر ان زخمیوں میں سے بہت سے لوگوں کو شہید کر دیا گیا۔

اہل شام کو جب درعا کے مسلمانوں پر مظالم کا علم ہوا تو وہ بھی ان کی مدد کے لیے نکلے، آہستہ آہستہ اس احتجاج نے مسلح مزاحمت کا روپ دھار لیا۔ پھر آزاد فوج بنتی ہے۔ ملک میں خانہ جنگی کا آغاز ہوتا ہے۔

قارئین کرام! شام ایک ایسا ملک ہے جس میں فوجی ٹریننگ لازمی ہے۔ یہاں پر دو سال تک ہر شامی نوجوان کو لازماً فوج میں ٹریننگ اور خدمات دینا ہوتی ہیں۔ اس لیے یہاں کا ہر شخص اسلحہ چلانا جانتا ہے اور اسلحہ کی اقسام سے بھی واقف ہے۔ یہ لازمی فوجی ٹریننگ خاصی مشکل اور سخت ہوتی ہے۔ اس لیے والدین اپنے بچوں کے لیے اس ٹریننگ سے استثناء حاصل کرنے کے لیے فوج کے افسران کو بعض حالات میں بھاری رشوت بھی دیتے ہیں۔

میرے ایک دوست نے غالباً دس ہزار ڈالر تک رشوت دے کر اپنے بچے کو اس لازمی ٹریننگ سے استثناء دلوایا تھا۔ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق آزاد فوج کی قیادت ان لوگوں نے سنبھالی جو ریٹائرڈ ہو چکے تھے۔ اس طرح شامی فوجوں کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا۔ اب ایک طرف حکومتی مظالم کا لامتناہی سلسلہ ہے اور دوسری طرف ایران نواز شیعہ تنظیمیں سنی مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں پیش پیش ہیں۔ حزب اللہ کے صدر حسن نصر اللہ اور ان کی جماعت بھی ظالم اور غاصب حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں۔

شام میں یہ ظلم وتشدد اب تک جاری ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک جاری رہے گا۔ اس سلسلہ میں مختلف حکومتوں کا کیا کردار رہا؟ اس خونچکاں داستان کو ان شاء اللہ پھر کبھی تفصیل سے بیان کروں گا۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ شام کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ بھرپور یکجہتی کا مظاہرہ کریں اور ان کے لیے قبولیت کے اوقات میں خوب دعائیں کریں۔

ہم سب اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں: الہ العالمین! ہمارے شامی بھائی مظلوم ہیں، مصائب میں مبتلا ہیں، تیرے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔ ان پر لطف وکرم فرما، ان کی مشکلیں جلد از جلد آسان فرما۔ ان کی خوں ریزی بند کروا اور ان کا خوف دور فرما۔ ان کی آبرو کی حفاظت فرما۔ ان کے بیماروں کو شفا عطا فرما اور بھوکوں کو کھانا کھلا۔ ان کے دلوں کو مضبوطی عطا کر اور انھیں ظلم وستم ڈھانے والوں پر فتح ونصرت عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

عبدالمالک مجاہد



محبتوں کا محور

محبتِ الٰہی کی علامات اور انعامات

عبداللہ یوسف ذہبی

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے ناموں میں سے ایک نام ''الودود'' بھی ہے۔ الودود کا ترجمہ دو طرح سے کیا گیا ہے۔ ''مودود'' یعنی وہ ذات جس سے محبت کی جائے اور ''وادّ'' جو دوسرے سے محبت کرے۔'' یہ دونوں معانی ذات باری تعالیٰ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندوں سے خود بھی محبت کرتا ہے اور بندے بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں سے کتنی محبت کرتا ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ ایک ماں اپنے بچے سے جتنی محبت کرتی ہے۔ اللہ اس سے بہت زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔(صحیح البخاری: 5999)

جب اللہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے تو بندوں کو بھی اس سے سب سے زیادہ محبت کرنی چاہیے۔ سچی بات یہ ہے کہ اللہ کے حقیقی بندے کہلانے کے حقدار ہی وہ ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مطلوب بھی ایسے ہی انسان ہیں اور ایسے لوگ ہی اس کے پسندیدہ ہیں جو اس سے محبت کرنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''(المآئدۃ 54:5) گویا اللہ کے پسندیدہ لوگوں کی سب سے پہلی خوبی یہ ہے کہ ان کے دل اللہ رب العزت کی محبت سے سرشار ہوں۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اللہ سے پیار اور محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دینا ایک مسلمان اور مومن کے لیے کتنا ضروری ہے۔

یاد رہے کہ اللہ اپنے بندوں سے محبت بھی وہ چاہتا ہے جس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا گیا ہو بلکہ اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ بندے اس سے کائنات کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کریں۔ اور اللہ کی رضا ان کے لیے ہر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو۔ گویا اللہ کی محبت ان کے دلوں میں یہ مقام اور مرتبہ حاصل کرلے کہ وہ اس کی خاطر ہر دوسری چیز کو قربان کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس محبت کو جس کا وہ حقدار ہے دوسروں کے لیے روا رکھنے کو شرک قرار دیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، جن سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، حالانکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔''(البقرۃ 165:2) اس آیت سے جہاں یہ

بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ جیسی محبت غیر اللہ کے ساتھ روا رکھنا شرک ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایمان اور محبت الٰہی کا بڑا گہرا تعلق ہے اور وہ یہ کہ ایک بندۂ مومن کائنات کی ہر چیز سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ سے محبت کا دم بھرتا ہے اس کے دل میں اللہ کی محبت سے بڑھ کر کسی کی محبت سما ہی نہیں سکتی اور اگر کوئی اللہ سے بڑھ کر کسی اور چیز سے محبت کرتا ہے تو یہ اللہ کو قبول نہیں اور ایسے لوگوں کے لیے اس نے بڑی سخت وعید سنائی ہے:

''کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (التوبة 24:9)

اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں انسان جن جن چیزوں اور رشتوں سے محبت کرتا ہے وہ سب اس آیت میں گنوا کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ان کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ اللہ کی خاطر ان سب چیزوں کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اسے عذاب الٰہی کا منتظر رہنا چاہیے۔ یہ تو عام سی بات ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی چیز سے محبت ہوسکتی ہے۔ سچی محبت میں محبوب اور محبّ شرکت کو روا نہیں سمجھتے۔ عربوں کی کہاوت ہے: «ليس فى القلب حبان ولا فى السماء ربّان» ''ایک دل میں دو محبتیں اور آسمان میں دو رب جمع نہیں ہوسکتے۔'' یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ ''اللہ نے کسی آدمی کے لیے اس کے اندر دو دل نہیں بنائے۔'' (الاحزاب 4:33) یعنی ایک وقت میں دل ایک ہی چیز کی طرف مائل ہوسکتا ہے اور اگر میلان ایک سے زیادہ چیزوں کی طرف ہو بھی تو ان میں سے بھی کسی ایک کی طرف ہی زیادہ میلان ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے کہ ایک اللہ سے محبت کرے، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، اس پر توکل کرے اس سے امیدیں وابستہ کرے اور دوسرا دل کسی اور کی محبت میں گرفتار ہو۔ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ دل ایک ہے اگر اس میں اللہ پر توکل، اس کی محبت اور اس کا تقویٰ موجود ہے تو وہ نہ کسی دوسرے کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہے اور نہ اس کا خوف اپنے دل میں بٹھا سکتا ہے۔

سچی محبت کی پہچان کیسے؟

ہمیں سوچنا ہے کہ اللہ کے ساتھ محبت صرف زبان سے یہ الفاظ نکال دینے کا نام ہے کہ مجھے اللہ سے محبت ہے یا اللہ کے ساتھ محبت کے کچھ تقاضے بھی ہیں؟

اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ تو ان لوگوں نے بھی کیا تھا جنھیں اللہ ''مغضوب عليهم'' اور ''الضالين'' کا سرٹیفکیٹ عنایت کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرماتا ہے: ''اور یہود و نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دیجیے کہ پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا ہے؟'' (المآئدة 18:5) لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرنے والا کیا محبت کے تقاضوں کو پورا بھی کر رہا ہے یا نہیں۔ آئندہ سطور میں بعض ایسی ہی علامات اور نشانیاں پیش کی جارہی ہیں:

اللہ سے ملاقات کی خواہش

یہ تو طے شدہ بات ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی سے دلی محبت کرتا ہے تو اپنے محبوب سے ملاقات اور اس کے دیدار کی تمنا ہمیشہ اس کے دل میں رہتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اسے بھی اللہ سے ملاقات کی خواہش ہونی چاہیے۔ اللہ سے ملاقات موت کے وقت ممکن ہے یا پھر قیامت کے دن۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ اللہ سے ملاقات کے شوق میں موت کی تمنا کرنے لگے۔ بلکہ اس سے تو سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ سے ملاقات کی خواہش رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق گزارے اور جب اسے موت کی گھڑی آ لے تو وہ اس کا استقبال برضا و رغبت کرے اور اسے دنیا کے چھوڑنے کا غم نہ ہو۔ درج ذیل حدیث میں اللہ سے ملاقات کو پسند کرنے

کا یہی مفہوم ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ جو اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا، اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔'' (یہ حدیث سن کر) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ مرنا تو ہم بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ملنے سے مراد موت نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ کسی مومن کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی خوشنودی اور اس کے ہاں اس بندے کی عزت کی بشارت سنائی جاتی ہے تو اس مومن کو اللہ کے ہاں ان انعامات کو حاصل کرنے سے بڑھ کر کوئی خواہش نہیں ہوتی تو اللہ بھی اس بندے سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب (سزا) کی بشارت دی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری: 6507، صحیح مسلم: 2683)

اللہ کو کثرت سے یاد کرنا

ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ کوئی کسی سے محبت بھی کرے اور محبوب کی یاد اسے ستاتی نہ ہو۔ اللہ سے محبت کرنے والے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والا نہ صرف اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے بلکہ اللہ بھی ایسے ذاکرین سے محبت کرتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہوں۔ اور جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں۔ جب وہ مجھے اپنے آپ میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے آپ میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب آتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آجاتا ہوں۔'' (صحیح البخاری: 7405)

اللہ سے مناجات سکون کا ذریعہ

ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں گفتگو کرنے اور اپنے دل کی باتیں اس سے کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والے کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ وہ بھی رات کی تاریکی میں، جب لوگ مزے کی نیند سو رہے ہوتے ہیں اور اللہ آسمان دنیا پر تشریف لاتا ہے تو یہ اپنی نیند قربان کر کے مصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے رب سے باتیں کرتا ہے۔ اپنے دکھیارے اسے سناتا ہے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ ''نماز اللہ سے مناجات کا ایک ذریعہ ہے۔'' (صحیح البخاری: 397) اسی لیے جب اللہ سے محبت کرنے والا نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اسے ذہنی طور پر سکون ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔'' (سنن النسائي: 3939)

کلام الٰہی سے محبت اور لگاؤ

سچی محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے کلام، اس کی باتوں اور اس کے آئے ہوئے خطوط کو پڑھ پڑھ کر خوش ہوتا ہے۔ اللہ نے بھی ایک ''خط'' قرآن مجید کی صورت میں اپنے بندوں کے نام بھیجا ہے۔ اللہ کے ساتھ محبت کرنے والے کلام الٰہی سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ انھیں اس کلام کو پڑھ کر اور سن کر بڑی لذت اور سرور ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی یہی تعریف اپنے کلام میں فرمائی ہے: ''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو مزید بڑھا دیتی ہیں۔'' (الانفال 2:8)

کلام اللہ کے ساتھ محبت کرنے والے ایک صحابی رسول کا تذکرہ یہاں مناسب رہے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ایک لشکر کا کمانڈر بنا کر بھیجا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تو اپنی قراءت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۃ اخلاص) پر ختم کرتا۔ جب لشکر واپس آیا تو لوگوں نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا

ہے؟'' لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے۔ لہٰذا میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے کہہ دو کہ اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔''

(صحیح البخاری: 7375، صحیح مسلم: 813)

اللہ کے حکم کو ترجیح دینا

سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب کی خاطر ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی جان کی بازی بھی لگانے سے گریز نہیں کرتا۔ اللہ سے سچی محبت کرنے والے کی بھی یہی علامت ہے کہ وہ اللہ کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس کی اپنی خواہش یا دنیا کے کسی بھی انسان کی مرضی ایک طرف ہو اور اللہ کا حکم دوسری طرف ہو تو وہ ہمیشہ ساری دنیا کی ناراضی مول لے کر صرف ایک اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اس کا حکم بجالاتا ہے۔ اپنی خواہش کو بھی قربان کر دیتا ہے اور ساری دنیا کی ناراضی کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اللہ کے حکم کے سامنے وہ سرنگوں ہوجاتا ہے۔ اپنا سر جھکا دیتا ہے اور اپنے نفس یا کسی دوسرے کی مرضی معلوم کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتا۔ اللہ سے سچی محبت کرنے والے ایسے ہی مومن بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ ''نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے ان کے معاملے میں کوئی اختیار ہو۔''

(الاحزاب 36:33)

اللہ کی پسند کو اپنی پسند بنانا

محبوب جس چیز کو پسند کرتا ہے، اس سے محبت کرنے والا بھی اسے ہی اپنی پسند قرار دیتا ہے اور محبوب کے نزدیک جو چیز ناپسندیدہ ہوتی ہے، وہ محبّ کو خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگتی ہو وہ اسے کبھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا کیونکہ اسے اس کا محبوب پسند نہیں کرتا۔ اللہ رب العزت نے بھی اپنے کلام میں اپنی پسند اور ناپسند واضح فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا: ﴿وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (آل عمران 3: 146) کہیں اپنے ناپسندیدہ لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (آل عمران 140:3)

اللہ کے لیے دوستی اور دشمنی

محبت کرنے والے کا دوستی اور دشمنی کا معیار اپنے محبوب کی چاہت کے مطابق ہوتا ہے۔

اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی دوستی اور دشمنی کا معیار بنایا ہے؟ کیا وہ اللہ کے محبوب بندوں سے دوستی رکھتا ہے اور اللہ کے دشمنوں، باغیوں اور نافرمانوں سے دشمنی رکھتا ہے؟

اللہ سے محبت کرنے والے تو اپنی دوستی اور دشمنی اللہ ہی کے لیے رکھتے ہیں۔ اللہ کا باغی خواہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو وہ اسے اپنا دشمن ہی سمجھتا ہے اور اس کے برعکس اللہ کا کوئی مومن بندہ سات سمندر پار رہنے والا ہی کیوں نہ ہو اور اسے اس سے کوئی غرض بھی نہ ہو، یہ پھر بھی اس سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے مومن بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا بھائی یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔''

(المجادلة 22:58)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے کسی کو دیا اور اللہ ہی کے لیے روک لیا (یعنی نہ دیا) تو اس نے ایمان مکمل کرلیا۔'' (سنن أبی داود: 4681)

نبی کریم ﷺ کی اتباع

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

(آل عمران 31:3) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول کو ایک کسوٹی اور معیار کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرنے والا کوئی بھی شخص خود کو اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھ سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کرتا ہے تو پھر واقعی وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کیے بغیر کوئی شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا

محبت الٰہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بندہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت سے بھی محبت کرے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کیے بغیر اللہ کے ساتھ محبت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تمھیں جو نعمتیں کھلاتا ہے ان کا شکر ادا کرتے ہوئے تم اللہ سے محبت کرو اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔'' (جامع الترمذی: 3789)

اللہ سے محبت کی چار علامات

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، مومنوں پر بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔'' (المآئدۃ 54:5)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ لوگوں کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان میں سرفہرست وصف یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں مومنوں کے لیے پیار، محبت اور الفت موجود ہوتی ہے۔

اللہ کے محبوب بندوں کی دوسری خوبی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ کافروں پر بڑے سخت ہوتے ہیں، نہ تو وہ ان سے دوستی لگاتے ہیں اور نہ کبھی ان کی کسی بات سے مرعوب ہوتے ہیں۔

تیسری خوبی یہ ہے کہ اللہ کے محبوب بندے اس کی راہ میں جان و مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ انھیں احکام الٰہی کو ماننے میں یا دین اسلام پر عمل کرنے میں لوگوں کی طرف سے اگر طعن و تشنیع یا ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ان پر آوازے کسے جاتے ہیں یا انھیں دقیانوس کہا جاتا ہے تو وہ ان سب باتوں کی پروا کیے بغیر اسلام پر ڈٹے رہتے ہیں۔ یہ چار نشانیاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بیان فرمائی ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرنے والا کوئی بھی شخص ان کو سامنے رکھ کر اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور اسے اللہ سے سچی محبت ہے یا صرف زبانی کلامی دعویٰ ہی ہے۔

ہم اپنے دل میں اللہ کی محبت کیسے پیدا کرسکتے ہیں؟

اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے، اسے برقرار رکھنے اور اس میں مستقل اضافہ کرنے کے لیے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے درج ذیل دس طریقے بیان کیے ہیں۔ امید کی جاسکتی ہے کہ ان پر عمل کر کے کوئی بھی مسلمان نہ صرف اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بسائے گا بلکہ اللہ بھی ایسے بندے سے محبت کرنے لگے گا۔ ان شاء اللہ۔

① قرآن مجید کو ٹھیک ٹھیک اور سمجھ کر پڑھنا، یعنی اللہ کے فرامین کو اللہ کی مراد کے مطابق سمجھا جائے اور اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ قرآن مجید کو نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ اور صحابہ کرام کے فہم کے مطابق سمجھا جائے نہ کہ اپنی عقل و فلسفے یا لغت کی قلابازیوں کے مطابق۔

② فرائض کی مکمل اور درست ادائیگی کے ساتھ ساتھ سنت کے مطابق نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوشش کی جائے۔ نوافل ادا کرنے والا اللہ کے ساتھ محبت کرنے والا محبّ ہی نہیں رہتا بلکہ وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، یعنی اللہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

③ دل و دماغ کی حاضری کے ساتھ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے رہنا۔ زبانی، قلبی اور جسمانی طور پر اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا، کیونکہ محبت کرنے والا، محبوب کو جتنا یاد کرے گا اتنی ہی



اسے محبوب کی محبت حاصل ہوگی۔

④جب دل میں کسی خواہش یا شوق کا غلبہ ہونے لگے تو اللہ کی پسند پر اپنی پسند کو قربان کردینا، خواہ اس کے لیے کتنی ہی مشقت برداشت کرنا پڑے۔

⑤حضور قلب کے ساتھ اللہ کے ناموں اوراس کی صفات کا مطالعہ کرنا اور قلبی، روحانی اور ذہنی طور پر ان ناموں اور صفات کی معرفت حاصل کرنا اوران کا مشاہدہ کرتے رہنا، کیونکہ جس نے اللہ کے ناموں اور صفات کو درست طور پر جان لیا، اس نے اپنے دل و جان میں اللہ کی محبت بسالی۔

⑥اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا مشاہدہ کرتے رہنا، ان پر غور وفکر کرنا اوران پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا، کیونکہ ایسا کرنا بھی اللہ کی محبت کو جگانے کا ذریعہ ہے۔

⑦اللہ کی محبت پانے کا سب سے مفید کام یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کے حضور بالکل عاجز اور ذلیل سمجھے۔ یہ ایسا کام ہے جس کی کیفیت اس کا عامل ہی جان سکتا ہے۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔

⑧رات کے وقت جب اللہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، اس وقت اس کے ساتھ تنہائی میں مناجات کرنا، کلام اللہ کی تلاوت کرنا، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کے لیے با ادب کھڑے ہونا اور اس حاضری کو توبہ واستغفار کے ساتھ ختم کرنا۔

⑨اللہ اوراس کے رسول سے سچی محبت کرنے والے نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا اوران کی صحبت میں رہ کر اچھی باتیں سننا۔

⑩ہر ایسے کام سے دور رہنا جو بندے کے دل اور اللہ کے درمیان حائل ہوجائے۔

(مدارج السالکین)

اللہ سے محبت کے انعامات

اللہ سے سچی محبت کرنے والوں کے لیے دنیا اورآخرت میں بہت سے انعامات ہیں۔ اس حوالے سے چند احادیث یہاں درج کی جارہی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے پوچھا: ''تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' وہ عرض کرنے لگا کہ میں نے اس کے لیے کوئی زیادہ (نفلی) نمازیں، روزے اور صدقے تو نہیں تیار کیے، لیکن ایک بات ہے کہ میں اللہ اوراس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔'' (صحیح البخاری: 6171)

ایمان کی مٹھاس

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص میں تین خصلتیں ہوں، وہ ایمان کی مٹھاس پا لے گا: ①اس کے نزدیک اللہ اوراس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ ②وہ جس چیز سے بھی محبت کرے، صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ ③اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا ایسے ناپسندیدہ ہو جیسے اسے آگ میں ڈالا جانا ناپسند ہے۔''

(صحیح البخاری: 16، صحیح مسلم: 43)

تمام کائنات کی محبت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ تمام آسمان والوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں بھی تمام لوگوں کا مقبول اور محبوب بن جاتا ہے۔'' (صحیح البخاری: 6040)

حصولِ محبت کی دعا

آخر میں ایک دعا ذکر کی جارہی ہے جو رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ دعا سیدنا داؤد علیہ السلام کی ہے: «اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِی يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِی وَمَا لِی وَاَهْلِی وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ» ''اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے چاہنے والوں کی محبت کا طلب گار ہوں اور ایسے عمل کی توفیق چاہتا ہوں جو مجھے تیری محبت کی طرف لے جائے۔ اللہ! مجھے اپنی محبت میری جان، مال، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ عطا فرما۔'' (جامع الترمذی: 3490)

❀❀❀

①ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے، پھر آپ نے یہ سورۃ تلاوت فرمائی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ (سنن أبی داود: 784) ②نبی ﷺ نے روم کے بادشاہ قیصر کو خط مبارک لکھوایا: «بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، من محمد عبداللّٰه ورسوله إلىٰ هِرقْلَ عظيم الروم» (صحيح البخاری: 2941) ③ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کے نام خط: «بسم اللّٰه الرحمن الرحيم. من محمد رسول اللّٰه إلىٰ كسرىٰ عظيم فارس، (عيون الأثر لابن سيد الناس: 348,347/2) ④شاہ حبشہ نجاشی کے نام خط: «بسم اللّٰه الرحمن الرحيم. من محمد رسول اللّٰه إلى النجاشی عظيم الحبشة، سلام علی من اتبع الهدىٰ» (عيون الأثر: 349/2، والطبقات الكبرىٰ: 259,258/1) ⑤شاہ مصر جریج بن میناء کے نام خط: «بسم اللّٰه الرحمن الرحيم. من محمد عبداللّٰه ورسوله إلى المقوقس عظيم القبط.....» (عيون الأثر 350/2و طبقات ابن سعد: 200/1)

⑥منذر بن ساوی کے نام خط: «بسم اللّٰه الرحمن الرحيم. من محمد رسول اللّٰه إلى المنذر بن ساوىٰ، سلام عليك، (عيون الأثر: 352/2، وطبقات ابن سعد: 202/1) ⑦سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔ (الأدب المفرد: 1124، والموطأ: 1909) ⑧حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواباً فرمایا: صدور الرسائل، یہ خط کے اوائل ہیں۔ (الأدب المفرد: 1123) ⑨انس بن سیرین رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا تو حکم دیا: «أكتب بسم اللّٰه الرحمن الرحيم» (الأدب المفرد: 1125)

⑩بسم اللہ اور نماز

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما قراءت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: 743، و صحیح مسلم: 399) ⑪سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی، وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم: 399) ⑫آپ ﷺ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم آہستہ پڑھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ: 495) ⑬سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا: اے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سے متعلق

50

صحیح احادیث وآثار

جَمْعُ الْأَدِلَّةِ فِيْ مَسْئَلَةِ الْبَسْمَلَةِ

فضل اکبر کاشمیری (کراچی)

نے ان میں سے کسی سے نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہو، لہٰذا تم بھی نہ پڑھا کرو۔ جب تم نماز پڑھو تو کہو ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾(جامع الترمذی: 244)

⑭ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا انس سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح قراءت کرتے تھے؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کھینچ کھینچ کر قراءت کرتے تھے۔ پھر انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، بسم اللہ کو کھینچا، رحمٰن کو کھینچا اور رحیم کو کھینچا۔(صحیح البخاری: 5046)

⑮ نعیم بن مجمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، پھر سورۂ فاتحہ پڑھی یہاں تک کہ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر پہنچے تو آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی..... جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تم سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ (سنن النسائی: 904) ⑯ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھی۔(مصنف ابن أبی شیبة: 1/412، وشرح معانی الآثار للطحاوی: 1/137، والسنن الکبریٰ للبیهقی: 2/48) ⑰ سیدنا عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے اونچی آواز کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے۔(جزء الخطیب: 41، و صححه الذهبی)

حاصل بحث یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ آواز سے پڑھنا افضل ہے، اونچی آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے۔

بسم اللہ اور وضو

⑱ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ» ''جو شخص وضو کے (شروع) میں بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو ہی نہیں۔''(سنن ابن ماجه: 397)

جماع کے وقت پڑھنے کی دعا

⑲ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو کہے: «بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»(صحیح البخاری: 5165)

مسنون دم

⑳ نبی ﷺ بیمار تھے تو جبریل امین نے یہ کلمات پڑھے: «بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ».(صحیح مسلم: 2186)

㉑ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مریض کو اس طرح دم کرتے: «بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا»(صحیح البخاری: 5745، و صحیح مسلم: 2194) ㉒ سیدنا عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے درد کی شکایت کی: جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں، ہم اپنے جسم میں درد محسوس کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اپنا ہاتھ اپنے جسم کی درد والی جگہ پر رکھیں اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ «أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَ أُحَاذِرُ» پڑھیں۔ (صحیح مسلم: 2203)

㉓ میت کو قبر میں اتارتے وقت

«بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ»(سنن أبی داود: 3213) ㉔ «بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ» (مسند أحمد: 2/37)

㉕ کھانا شروع کرنے کی دعا

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت میں تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ کھانے کی پلیٹ میں گھومتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے بچے! اللہ کا نام لے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔'' اس کے بعد میں ہمیشہ ایسے ہی کھاتا تھا۔ (صحیح البخاری: 5376، و صحیح مسلم: 2022)

㉖ عبدالرحمٰن بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس صحابی نے بیان کیا جس نے نبی اکرم ﷺ کی آٹھ سال خدمت کی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف جب آپ کا کھانا قریب کیا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: بِسْمِ اللّٰهِ، (عمل الیوم واللیلة لابن السنی: 464)

㉗ اگر ابتدا میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو کہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ» (سنن أبی داود:

3767)㉘ یا کہے: بِسْمِ اللّٰهِ فِی أَوَّلِهٖ وَآخِرِهٖ. (جامع الترمذی: 1858)㉙ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس کھانے پر شیطان کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔'' (سنن أبی داود: 3766)

㉚ قربانی کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر. (مسند أحمد: 375/3)

㉛ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر. (سنن أبی داود: 2810).

㉜ صبح وشام تین تین دفعہ پڑھنے کی دعا

«بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِی لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیعُ الْعَلِیْمُ» (سنن أبی داود: 5088)

㉝ سواری پر بیٹھنے کی دعا

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا۔ جب انھوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا: بسم اللہ..... (سنن أبی داود: 2602، و جامع الترمذی : 2446) مکمل دعا کے لیے حوالہ مذکورہ دیکھیے۔

㉞ حدیث میں آتا ہے کہ جب سواری پھسل جائے تو یوں مت کہو کہ شیطان ہلاک ہو جائے۔ اس لیے کہ شیطان اس بات سے موٹا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تجھے اپنی طاقت سے پھسلایا ہے۔ بلکہ بسم اللہ کہو۔ ایسا کہنے سے شیطان چھوٹا (ذلیل) ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ مکھی کی مانند چھوٹا (ذلیل) ہو جائے گا۔ (سنن أبی داود: 4982)

㉟ گھر سے نکلتے وقت کی دعا

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» (سنن أبی داود: 5095، و جامع الترمذی : 3426)

㊱ بسم اللہ پڑھنا سونے کے آداب میں سے ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بستر پر آئے تو اپنے کپڑے کے ایک کونے سے بسم اللہ کہہ کر بستر کو تین دفعہ جھاڑے۔'' (صحیح البخاری: 7393)

㊲ بسم اللہ اور شکار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شکار تم اپنی کمان سے کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو کھاؤ اور جو شکار تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو بھی کھا لو اور جو شکار بغیر سدھائے ہوئے کتے سے کرو تو اگر تم نے اسے خود ذبح کیا ہے تو اس کو بھی کھا لو۔'' (صحیح البخاری: 5478، و صحیح مسلم : 1929)

㊳ بسم اللہ اور مذبوح

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اللہ کا نام لے کر اسے کھا لو۔'' (صحیح البخاری: 5507)

㊴ پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔ (الأوسط للطبرانی: 351/2)㊵ پچھلی امتوں میں ایک کافر بادشاہ نے ایک موحد لڑکے کو اس کے کہنے کے مطابق «بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ» کہہ کر تیر مارا تھا جس سے اس (لڑکے) کی موت واقع ہوئی۔ (صحیح مسلم:3005)

㊶ آبِ زمزم پینے کی دعا

بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا چاہیے اور پی کر الحمدللہ کہنا چاہیے۔ (سنن ابن ماجہ: 3061، وسنن دارقطنی: 288/2)

㊷ بسم اللہ اور جہاد

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔'' (صحیح مسلم: 4566)㊸ رسول اللہ ﷺ نے (طلحہ رضی اللہ عنہ سے) ارشاد فرمایا: ''اگر تو بسم اللہ کہتا تو فرشتے تجھے اوپر اٹھا لیتے حتی کہ لوگ بھی دیکھتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو (ناکام) پھیر دیا۔'' (سنن النسائی: 3154)

㊹ علامہ تیموی حنفی (متوفی 1322ھ) لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (التعلیق الحسن: 143)㊺ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(رات سونے سے قبل) بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کیا کرو۔'' (صحیح مسلم: 2012)㊻ ''بسم اللہ کہہ کر چراغ بجھایا کرو۔'' (صحیح مسلم: 2012)㊼ ''اپنے برتنوں کو بسم اللہ پڑھ کر ڈھانپ دیا کرو۔'' (صحیح مسلم: 2012)㊽ ''مشکیزوں کے منہ بسم اللہ پڑھ کر باندھ دیا کرو۔'' (صحیح مسلم : 2012)㊾ رات سونے سے قبل دروازہ بند کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے تو شیطان اس دروازے کو نہیں کھول سکتا۔ (صحیح مسلم : 2012)

کیا عورت تنہا سفر کر سکتی ہے؟



حافظ شبیر صدیق
ریسرچ فیلو دار السلام

اسلام وہ واحد دین ہے جو معاشرے کے ہر فرد کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ وہ مسائل چاہے زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسی طرح ان پیش آمدہ مسائل کا زمانہ چاہے کوئی بھی ہو۔ دور حاضر میں بھی بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس کشمکش کا شکار ہیں۔ اس کشمکش کا بنیادی سبب دینی علوم سے ناآشنائی ہے۔ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ عورت کا اکیلے سفر کرنا ہے۔ اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ایک الجھن کی سی کیفیت اختیار کر چکا ہے کہ کیا کسی خوشی یا غمی میں شرکت کے لیے یا کسی رشتے دار کے ہاں جانے کے لیے عورت اکیلی سفر کر سکتی ہے یا نہیں؟ عورت پر شریعت کی طرف سے کیا پابندی ہے اور کس قدر اسے تنہا سفر کرنے کی اجازت ہے؟ اس حوالے سے اس مختصر مضمون میں ہم شریعت کا نقطۂ نظر جاننے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچا جا سکے۔

ابتداءً یہ بات ذہن نشین رہے کہ شریعت نے عورت کا اصل ٹھکانا گھر کی چار دیواری کو قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:: ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ ''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کی زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔'' (الأحزاب 33:33) شریعت کی نظر میں عورت کی گھر میں پڑھی گئی نماز بہتر اور افضل قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَاتَمْنَعُوا نِسَآءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ» ''عورتوں کو مساجد میں



جانے سے منع نہ کرو، البتہ ان کے گھر (نماز کی ادائیگی کے لیے) ان کے لیے بہتر ہیں۔'' (سنن أبی داود: 567) ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ ''عورت کا اپنے گھر کے کمرے میں نماز ادا کرنا گھر کے صحن میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے اور اس کا گھر میں نماز ادا کرنا مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔'' (معرفة السنن والآثار للبیهقی: 4/422) عورت جب اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر حملے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ» ''عورت پردے کی چیز ہے، جب یہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان (لوگوں کی) توجہ اس کی طرف کر دیتا ہے۔'' (جامع الترمذی: 1173) خصوصاً عورت کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے باہر نکلنا شوہر کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ شوہر کو کسی قسم کی اذیت دینے پر عورت کو جنتی حور مخاطب ہو کر کہتی ہے: ''اللہ تجھے غارت کرے تو اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا۔ وہ دنیا میں تیرا مہمان ہے اور عنقریب تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔'' (جامع الترمذی: 1174) مذکورہ احادیث میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے۔ اب جاننا یہ ہے کہ بوقت ضرورت عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس حوالے سے شرعی نقطۂ نظر کیا ہے۔ اس بارے میں جواز اور ممانعت دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔ سفر کے بغیر عورت کے تنہا گھر سے نکلنے کا جواز تو موجود ہے، البتہ اس کے تنہا سفر کرنے پر شرعاً پابندی ہے۔ جواز اور ممانعت کے دلائل کو ذکر کرنے سے پہلے سفر کا تعین کرنا ضروری ہے۔ تاکہ جواز اور ممانعت کی اصل نوعیت واضح ہو سکے۔

عورت تنہا کس قدر سفر کر سکتی ہے، اس بارے میں شارحین حدیث اور محدثین علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عورت کو تنہا جس سفر کے کرنے سے منع کیا گیا اس کو قصر نماز کے سفر پر قیاس کیا جائے، یعنی قصر نماز کے لیے سفر کی جو مسافت روایات میں بیان ہوئی ہے اس کے بقدر عورت اکیلی سفر نہیں کر سکتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو روایات عورت کے تنہا سفر کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں ان میں مسافت کی مقدار کے بارے میں مختلف الفاظ منقول ہیں۔ الفاظ کا وہ اختلاف مختلف النوع سوالات کی وجہ سے ہے۔ کسی روایت میں تین دن، کسی میں دو دن، کسی میں ایک دن اور کسی روایت میں ''برید'' کے الفاظ ہیں۔ جس کے معنی بارہ میل (تقریباً 28 کلومیٹر) کے ہیں۔ اس لیے اس سفر کو نماز قصر کے سفر پر قیاس کرنا درست نہیں بلکہ اس سے مراد وہی سفر ہوگا جس کو عرف میں سفر کہا جاتا ہے۔

بعض علماء نے ''برید'' کے معنی نصف یوم کی مسافت کے کیے ہیں۔ طبرانی کبیر کی ایک روایت میں تین میل کا بھی ذکر ہے۔ (طبرانی کبیر 11/93) اکثر علماء نے اسی دوسرے موقف کو راجح قرار دیا ہے۔ بوقت ضرورت عورت کے تنہا کہیں جانے کا جو ذکر ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے قرب وجوار میں کسی کام سے جا سکتی ہے۔ اس بارے میں جو دلائل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دے دی گئی تو اس نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کرنے جایا کرے۔ ایک آدمی نے ان کو گھر سے نکلنے سے سختی سے منع کیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے آئی کہ کیا وہ اپنے باغ کی دیکھ بھال کے لیے آجا سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، تم اپنے باغ کی دیکھ بھال کر سکتی ہو اور ممکن ہے تم اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔'' (صحیح مسلم: 1483)

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ جب زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس صرف ایک گھوڑے کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ ان کے گھوڑے کے چارے کا اہتمام بھی میں کرتی تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو زمین کا ایک ٹکڑا دیا تھا جو ہمارے گھر سے پونے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ میں وہاں سے گھوڑے کے لیے چارہ لے کر آتی تھی۔ (صحیح مسلم: 2182) اسی طرح وہ صحابیات جن کے گھر مسجد سے دور تھے نبی ﷺ کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لیے اکیلی آیا کرتی تھیں۔ مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی کے لیے آنا بھی صحابیات رضی اللہ عنہن کا معمول تھا۔ مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عرف میں جس مسافت کو سفر میں شمار نہ کیا جاتا ہو عورت اس قدر کہیں آجا سکتی



ہے جیسے پڑھنے پڑھانے کے لیے آنا جانا وغیرہ۔ البتہ یہ بھی اس صورت میں جائز ہے جب امن وامان کی صورتحال ہو۔ اس کی جان، عزت اور عفت وعصمت کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

طویل سفر کی ممانعت

وہ مسافت جس کو عرف میں سفر میں شمار کیا جاتا ہے، شریعت نے ایسا سفر عورت کو تنہا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حوالے سے مفصل بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان تمام روایات کو بیان کر دیا جائے جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں تاکہ کسی خاطر خواہ نتیجے پر پہنچا جا سکے۔

①«لَا تُسَافِرْ اِمْرَأَةٌ فَوقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ» ''عورت اپنے محرم کے بغیر تین رات سے زیادہ کا سفر نہ کرے۔''

(صحیح مسلم: 418- 827)

②«لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ» ''عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر نہ کرے۔'' (صحیح البخاری: 1086)

③«لَا تُسَافِرِالْمَرْأَةُ يَومَينِ إِلَّا مَعَهَا زَوجُهَا أَوْذُوْمَحْرَمٍ» ''عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر دو دن کا سفر نہ کرے۔'' (صحیح البخاری: 1197)

④«لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَومِ الْاٰخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَومٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ» ''اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور رات کا سفر کرے۔'' (صحیح البخاری: 1088)

⑤«لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ لَيلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا رَجُلٌ ذُوحُرْمَةٍ مِنْهَا» ''مسلمان عورت کے لیے محرم کے بغیر ایک رات کا سفر کرنا جائز نہیں۔'' (صحیح مسلم: 1339)

⑥«لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَومِ الْاٰخِرِ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ يَومٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ» ''اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے ایک دن کا سفر بھی محرم کے بغیر کرنا جائز نہیں۔'' (صحیح مسلم: (420)-1339)

⑦«لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ بَرِيدًا إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ يَحْرُمُ عَلَيهَا» ''کوئی بھی عورت محرم کے بغیر ایک برید کے بقدر بھی تنہا سفر نہ کرے۔'' (صحیح الجامع الصغیر: 26/4. وسنن ابی داود: 1725)

⑧«لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَ أَمْيَالٍ إِلَّا مَعَ زَوجٍ أَوْمَعَ ذِي مَحْرَمٍ» ''عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر تین میل کا سفر نہ کرے۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی: 12/12)

⑨«لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» ''عورت محرم کے بغیر تنہا سفر نہ کرے۔''

(صحیح البخاری: 1862)

مذکورہ بالا تمام روایات میں جو چیز قدر مشترک ہے وہ عورت کو تنہا سفر کرنے سے ممانعت ہے۔ البتہ سفر کی مقدار کے بارے میں الفاظ مختلف ہیں۔ الفاظ کے اس اختلاف کے بارے میں محدثین کا کہنا ہے کہ جتنی مقدار کے بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا گیا آپ ﷺ منع فرماتے گئے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں یہ بات تو بالکل واضح ہوگئی کہ عورت تنہا سفر نہیں کر سکتی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کہ جب سفر کی جدید سہولیات میسر ہیں تو اس حالت میں عورت تنہا سفر کر سکتی ہے یا کہ نہیں؟ اس سوال کے جواب میں جب ہم جدید سہولیات کو مدنظر رکھ کر مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں تو جواب بالکل نفی میں ملتا ہے، اس لیے کہ عورت کے تنہا سفر کرنے میں بہت سارے مفاسد اور مہالک پائے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان«لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ» ''کوئی بھی شخص (غیرمحرم) عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے۔'' (صحیح البخاری: 3006) ایک دوسری روایت میں ہے: «لَاتَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ» ''جس عورت کا شوہر موجود نہ ہو اس کے پاس نہ جاؤ۔'' (جامع الترمذی: 1172) ان احادیث میں گھر میں خلوت اختیار کرنے کی ممانعت ہے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک عورت غیرمحرموں کے ساتھ گاڑی میں سفر کرے۔ اگر کوئی عورت اپنی ذاتی گاڑی پر اکیلی سفر کرنا چاہے تو شریعت میں اس کی بھی کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو اکیلے مرد کو بھی سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَوَيَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا أَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَه» ''اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اکیلے سفر کرنے میں کیا (نقصان) ہے تو کوئی بھی شخص رات کو اکیلا سفر نہ کرے۔'' (صحیح البخاری: 2998) اگر عورت اپنی ذاتی گاڑی میں اکیلی سفر کرتی ہے تو راستے میں کسی بھی جگہ گاڑی کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے جس کی وجہ سے عورت کے کسی بھی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔



رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک عورت نے حج کا ارادہ کیا تو اس کے شوہر نے نبی ﷺ کو اطلاع دی کہ میری بیوی حج کرنا چاہتی ہے جبکہ میں فلاں غزوے میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم غزوے میں شریک ہونے کی بجائے اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج کرو۔ اس لیے کہ کسی مسلمان عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنے کی اجازت نہیں۔'' (صحیح البخاری: 1862) اس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے جب ایک عظیم سفر، سفر حج سے عورت کو تنہا جانے سے منع فرمادیا تو ایک عام سفر کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے باوجود ایک مرض ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پھیلتا جارہا ہے۔ اگر کوئی عورت حج یا عمرہ پر جانا چاہتی ہو اور اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو تو کسی غیر محرم کو کاغذات میں محرم ظاہر کر کے حکومتی پابندی سے چھٹکارا حاصل کرلیا جاتا ہے۔ صرف عمر رسیدہ خواتین ہی نہیں بلکہ نوجوان لڑکیاں بھی اس طرح سفر کرنے میں ذرا عار محسوس نہیں کرتی ہیں۔ یہ کس قدر شرمناک اور مجرمانہ فعل ہے کہ اس طرح حکومتی پابندی سے تو چھٹکارا حاصل کرلیا جاتا ہے مگر اصل پابندی جو شریعت کی طرف سے ہے اسے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس فعل کی مرتکب عمر رسیدہ خواتین اور نوجوان لڑکیوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر محرم نہ ہونے کی وجہ سے وہ حج یا عمرہ نہیں کرتی ہیں تو قیامت کے دن ان سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ انھوں نے حج یا عمرہ کیوں نہیں کیا۔ البتہ اگر وہ غیر محرم کو محرم ظاہر کر کے حج یا عمرہ کا سفر کرتی ہیں تو قیامت کے دن ان سے اس بارے سوال ضرور ہوگا کہ انھوں نے اس مجرمانہ فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟ بعض افراد یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہم اگر اپنی بہن یا بیٹی کو تنہا یا کسی غیر محرم کے ساتھ سفر پر روانہ کررہے ہیں تو ہمیں اس پر اعتماد ہے وہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گی۔ ایسے افراد کی یہ سوچ ان کے سقیم ذہن کی غمازی کرتی ہے۔ عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کرنے میں صرف عدم اعتماد ہی پوشیدہ نہیں ہے بلکہ عورت کو ان بہت سارے مفاسد اور مہالک سے محفوظ رکھنا ہے جو اسے سفر میں پیش آسکتے ہیں، مثلاً: عورت ناقص العقل ہے، عورت اپنا دفاع کرنے کی پوری قوت نہیں رکھتی ہے کیونکہ عورت قوت میں مرد سے کمزور واقع ہوئی ہے۔ عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی عفت وعصمت پر حملے کرتا ہے اور اکثر طور عورت ان حملوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عورت کے تنہا سفر کرنے کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں جنھیں شمار کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک بات اعتماد یا عدم اعتماد کی ہے، ہمارے خیال کے مطابق اس صحابیہ رضی اللہ عنہا پر کوئی بھی شخص ذرہ برابر شک نہیں کرسکتا جس کے شوہر کو نبی ﷺ نے اس کے ساتھ سفر حج کرنے کا حکم دیا تھا۔ احادیث میں جو ممانعت منقول ہے اس میں یہ استثناء کہیں ذکر نہیں ہے کہ اگر اعتماد ہو یا عورت عمر رسیدہ ہو وغیرہ، تو اجازت ہے بلکہ یہ ممانعت عام ہے۔

موجودہ دور میں جدید سہولیات کے پیش نظر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کیا جائے اور کسی بھی عورت کو اس کا شوہر یا محرم ائیر پورٹ سے ہوائی جہاز پر بٹھا دے اور جس ملک یا شہر میں جانا ہے وہاں سے بھی کوئی محرم آکر لے جائے تو اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ اس کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ اگرچہ اس سفری سہولت میں خاصی

شائقین ضیائے حدیث کے لیے ''خوشخبری''

پاکستان کے تمام اہل حدیث مدارس کے شیوخ الحدیث کے لیے حافظ عبدالوحید سوہدروی رحمہ اللہ کی طرف سے ضیائے حدیث کا اجرا بالکل فری۔ جن شیوخ تک رسالہ نہ پہنچے وہ دفتر سے ضرور رابطہ کریں۔

حسب ذیل احباب کے لیے نصف زرِتعاون کی پیشکش

☆ مدارس، سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کرام اور طلباء
☆ مساجد کے ائمہ کرام ☆ خطباء حضرات



حدتک جان ومال کے تحفظ کا پہلو پایا جاتا ہے، البتہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہر مسافر کو ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ایک طویل دورانیہ ایئرپورٹ ہال میں گزارنا پڑتا ہے جہاں مختلف حوالوں سے کاغذی کارروائی پوری کی جاتی ہے۔ اس طرح یہ طویل دورانیہ کسی بھی قسم کے فتنے سے مبرا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح جب عورت ہوائی جہاز میں سوار ہو جاتی ہے تو اس کے اردگرد، دائیں بائیں ایسے افراد بھی موجود ہو سکتے ہیں جو اللہ کا ڈر اور خوف اپنے دل میں نہ رکھتے ہوں اور وہ اس نوجوان لڑکی یا عورت کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کریں جو کسی فتنے سے خالی نہیں ہے۔ یہی اندیشہ ان گاڑیوں کے حوالے سے بھی موجود ہے جو ایک محفوظ سفر کے حوالے سے معروف ہیں، مثلاً: ڈائیوو، فیصل موورز، علی ایکسپریس وغیرہ۔

بہرحال عورت کے تنہا سفر کرنے کی جو ممانعت ہے وہ عام ہے۔ اس شرعی پابندی میں ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر وہی چیزیں حرام کرتا ہے جن میں ان کے لیے کوئی نقصان یا فساد ہوتا ہے۔ اگرچہ بہت ساری سفری سہولتیں موجود ہیں مگر فتنوں کے اس دور میں سدذریعہ کے طور پر بھی عورت کا اس پابندی کو اپنانا لازم اور ضروری ہے۔ اس لیے کہ معاشرے میں پائے جانے والے فساد کے بڑے بڑے اسباب میں سے ایک سبب غیرمحرم مرد وخواتین کا اختلاط، خلوت اختیار کرنا اور بغیر محرم کے سفر کرنا بھی ہے۔ اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا: «مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» ''میرے بعد مردوں کے لیے سب سے بڑھ کر ضرررساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر کوئی نہیں۔'' (صحیح البخاری: 5096)

ایک وضاحت

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے ایک پیش گوئی فرمائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! اگر تو نے طویل عمر پائی تو تیری زندگی میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہر طرف امن ہی امن ہوگا۔ کسی کو بھی جان اور مال کا خوف نہیں ہوگا حتی کہ ایک عورت حیرہ سے بیت اللہ کی طرف طواف کی نیت سے اکیلی سفر کرے گی، اسے اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی ڈر اور خوف نہیں ہوگا۔'' (صحیح البخاری: 3595)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ امن وامان کی صورت میں ایک عورت بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے حیرہ سے اکیلی سفر کرے گی اور اسے کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اس حدیث سے یہ استدلال لینا کہ عورت تنہا سفر کرسکتی ہے درست نہیں۔ اس لیے کہ اس پیش گوئی کے مقابلے میں صراحتاً عورت کے تنہا سفر کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ اور اگر اس سے جواز پر دلالت لی بھی جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب اسی طرح کا امن ہو جس کی نبی ﷺ نے پیش گوئی فرمائی ہے۔ موجودہ دور فتنوں کا دور ہے اور اس دور میں تو مردوں کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم ہے کہ ضروری کام کاج کے بعد اپنا وقت اپنے گھر ہی میں گزاریں، چہ جائیکہ اس پرفتن دور میں عورت کو تنہا سفر کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس پیش گوئی میں اصل چیز دین اسلام کی وجہ سے ہر طرف امن وامان قائم ہونے کی خبر ہے نہ کہ عورت کے تنہا سفر کرنے کو سندِ جواز فراہم کرنا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس پیش گوئی میں یہ خبر دی گئی ہے کہ جب ہر طرف امن وامان ہوگا تو بعض عورتیں تنہا سفر کرنے کی جرأت کریں گی، البتہ امن وامان کی وجہ سے انھیں یہ جرأت کرنے پر کوئی ظاہری نقصان تو نہیں ہوگا مگر ایک شرعی پابندی کو توڑنے کا ارتکاب ان کے کھاتے میں ضرور لکھا جائے گا۔

بہرحال مذکورہ حدیث سے عورت کے تنہا سفر کرنے پر استدلال درست نہیں ہے۔ آخر میں اس بات کی وضاحت کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم موجود نہ ہو اور سفر کرنا بھی ضروری ہو، مثلاً کسی کا کوئی عزیز فوت ہو جائے تو اس صورت میں علماء نے جواز کی صورت بیان کی ہے، بصورت دیگر جو عورت تنہا سفر کرتی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ کے لیے اس فعل کے نہ کرنے کا عزم کرے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب.

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جب اپنے اپنے وقت پر خلیفہ منتخب ہوئے انھوں نے خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جو خطبات ارشاد فرمائے ان کے چند اقتباسات اور ان سے حاصل ہونے والے اہم نکات اور موجودہ دور سے ان کا موازنہ پیش خدمت ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبۂ خلافت

''امابعد! مجھے آپ کا خلیفہ بنایا گیا ہے، میں خود کو آپ سے بہتر نہیں سمجھتا۔ اگر میں درست کام کروں تو میری مدد کرنا۔ اگر مجھ سے غلطی ہوجائے تو میری اصلاح کرنا۔ سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تمھارا کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہے حتی کہ میں اس کا حق اسے دلا دوں، ان شاء اللہ۔ تمھارا طاقتور شخص میرے نزدیک کمزور ہے حتی کہ میں اس سے مظلوم کا حق وصول کرلوں، ان شاء اللہ۔ جب کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتا ہے۔ میری اطاعت اس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔''

اہم نکات

❀ خود ذمہ داری لینے کے بجائے لوگ ذمہ داری دیں تو یہ شریعت میں پسندیدہ ہے۔



محمد نعمان فاروقی
ریسرچ فیلو دارالسلام

عہد خلافت راشدہ اور عہد حاضر میں حکمرانوں کی ترجیحات کا اندازہ



❀ خلیفہ اول ہونے کے باوجود عجز و انکسار کا اظہار اور دوسروں کی دلجوئی۔ تکبر و نخوت تو فرعون جیسے حکمرانوں کی عادت ہوتی ہے۔ ❀ عوام سے اچھے کاموں میں ساتھ دینے کی اپیل کیونکہ محض حکمرانوں کے درست ہونے سے بات نہیں بنتی جب تک رعایا اچھے کاموں میں ان کا ساتھ نہ دے۔ ❀ انسان کسی بھی عہدے پر ہو اس سے غلطی کا سرزد ہو جانا ممکن ہے۔ غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے بجائے اصلاح کر لینا اور غلطی کو غلطی تسلیم کر لینا ہی حکمرانی کے اعلیٰ اصولوں میں سے ایک ہے۔ ❀ سچائی کی اہمیت اور جھوٹ کی قباحت کو معاشرے میں پھیلانا۔ ❀ عدل و انصاف کا بول بالا کرنا۔ مظلوموں کا ساتھ دینا اور ظالموں کے پنجۂ استبداد سے انھیں نجات دلانا۔ ❀ حکومت کے مقابلے میں ایسے ظالموں، بدمعاشوں اور غنڈوں کی کوئی حیثیت نہ ہونا۔ ❀ لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانا کہ عزت جہاد فی سبیل اللہ سے ملتی ہے جو قوم جہاد سے روگردانی کرتی ہے وہ رسوا ہو جاتی ہے۔ ❀ مملکت اسلامیہ کے بنیادی مآخذ کی تعیین کرنا کہ قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا چلے گا۔ ❀ جب تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اس وقت تک میری اطاعت کرنا بصورت دیگر میری اطاعت نہ کرنا۔

موازنہ

⊙ آج کل ہر کوئی حکومتی عہدہ لینے کے لیے کوشاں نظر آتا ہے بلکہ اس کے لیے ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ⊙ ہمارے حکمران عجز و انکسار سے عموماً بیگانہ ہوتے ہیں۔ الا ما شاء اللہ۔ ⊙ کوئی حکمران یہ نہیں کہتا کہ میرے اچھے کاموں میں میرا ساتھ دینا اور غلط کام کروں تو میری اصلاح کرنا۔ بلکہ ہر عہدیدار یا سربراہ یہی سمجھتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ سو فیصد درست کیا ہے۔ اور غلطی کو اپنی طرف منسوب کرنے کو اپنی توہین سمجھتا ہے۔ ⊙ عوام بھی قابل اصلاح پہلوؤں کی بروقت اصلاح کے بجائے حکومتی عہدوں سے ہٹانے پر زور لگاتے ہیں۔ ⊙ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عوام کو حکمران کے محاسبے کا پورا حق بھی دیا جبکہ ہمارے ہاں اعلیٰ عہدیدار عموماً اپنے آپ کو قانون سے بالا سمجھتے ہیں۔ ⊙ ہمارے معاشرے میں سچائی سر چھپاتی پھرتی ہے جبکہ جھوٹ سرعام بولا جاتا ہے اور اس کا ساتھ دینے والے بھی موجود ہوتے ہیں۔ ⊙ عدل و انصاف کا قیام نام رکھنے سے نہیں بلکہ اس کے نفاذ سے ہوتا ہے۔ دوسروں سے سبھی انصاف کا تقاضا کرتے ہیں مگر خود انصاف کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ بلکہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کی رسہ گیری حکومتی عہدیداروں کی طرف سے ہوتی ہے۔

⊙ جہاد فی سبیل اللہ تو مجموعی طور پر امت مسلمہ کے کاغذوں ہی میں نہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے اور جہاد نہ کرنے پر بڑی وعیدیں سنائی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں جہاد کا نام لے کر زندہ کیسے رہیں گے جبکہ امت کی اجتماعی زندگی کی بقا اس میں مضمر ہے۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ جہاد کو سپورٹ کریں، خواہ اندر کھاتے ہی کیوں نہ ہو۔ ⊙ موجودہ حکمران اپنی ہر بات کی اور ہر فیصلے پر رضامندی کی مہر ثبت کرنے کی تلقین کرتے ہیں جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت آسان فارمولا سامنے رکھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں تم میرا ساتھ دینا نافرمانی کے کاموں میں نہیں، اگر آج کوئی حکمران یہ اعلان کرتا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بہت سے کاموں میں اس کی تائید نہیں ہوگی۔ اس لیے وہ اس قسم کے اعلانات سے کتراتے ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خطبۂ خلافت

''قرآن کریم پڑھو۔ اس کے معارف حاصل کرو، اس پر عمل کرو تو تم حاملین قرآن بن جاؤ گے۔ اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمھارا محاسبہ کیا جائے۔ قیامت کے دن کے لیے خود کو تیار کر لو۔ اس دن تم اپنے اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔ اس دن کوئی جان کہیں نہ چھپ سکے گی اور اللہ کی نافرمانی کی روش اپنانے پر کسی حق دار کو کوئی حق نہیں مل سکتا۔ خبردار میں نے اللہ کے مال سے صرف اتنا تعلق رکھا ہے جس طرح کسی یتیم کا کفیل ضرورت کے مطابق اس کے مال سے کچھ لے لیتا ہے۔ اگر میں مالدار ہو گیا تو اتنا بھی نہیں لوں گا اور اگر محتاج رہا تو ضرورت سے زیادہ نہیں لوں گا۔'' (کنز العمال: 44214)

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد مجھے تمھارے ذریعے اور



تمھیں میرے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے۔ اللہ کی قسم! میں تمھارے معاملات کا خود فیصلہ کروں گا۔ اگر کوئی فیصلے کے وقت حاضر نہ ہوا تو حق دار کو اس کا حق پہنچاؤں گا۔ اللہ کی قسم! اگر لوگ اچھے چال چلن چلیں گے تو میں بھی ان سے اچھا سلوک کروں گا۔ اگر بری راہ چلیں گے تو میں انھیں سخت سزا دوں گا۔''

(الطبقات لابن سعد: 275/3)

اس روایت کے بعد یہاں ان حاضرین کا بیان بھی درج ہے جو خطبۂ خلافت کے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، وہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زندگی کے آخری لمحے تک اسی خطبے میں بیان کردہ راہ پر چلے۔''

خطبے کے اہم نکات

❀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو بنیادی حیثیت دی ❀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر حاملین قرآن ہوا کرتے تھے۔ ❀ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر حکمران اور رعایا کے دل میں قرآن مجید کے ذریعے سے آخرت کی پیشی کا یقین بیٹھ جائے اور اپنا محاسبہ شروع ہو جائے تو یہ کسی بھی ریاست کی پہلی اور بڑی کامیابی ہے۔ قانون یا انتظامیہ آخر کہاں تک محاسبہ کر سکتے ہیں؟ اگر صحیح معنوں میں کوئی چیز کسی کی حق تلفی یا نقصان دہی سے بچا سکتی ہے تو وہ محاسبہ نفس ہی ہے۔ مثلاً جو لوگ پاکستان کے باسی ہیں مگر مختلف ہتھکنڈوں سے بجلی چوری کرتے ہیں، میٹر آہستہ کر دیتے ہیں، بل ادا نہیں کرتے، اگر انھیں یہ یقین ہو کہ یہ قانون کے ہاتھوں پکڑے جائیں گے تو یہ ایسا نہ کریں لیکن اگر ان کا ایمان ہو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہمیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے تو ایسا کیونکر کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ بظاہر معمول کی تلقین ہے مگر اس کے بہت دور رس نتائج سامنے آتے ہیں۔

❀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آخرت کی فکر کے ساتھ ساتھ اخراجات کو انتہائی محدود کر کے فضول خرچی اور اسراف کی حوصلہ شکنی کی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبۂ خلافت میں جن امور کا اظہار کیا تھا، اپنے 11 سالہ دور خلافت میں اس پر قائم دائم رہے۔ یہ فرق ہوتا ہے عوام کے خوف میں اور اللہ کے خوف میں کہ عوام کی توجہ ہٹی یا آنکھیں اوجھل ہوئیں تو پارسائی جاتی رہی۔ اور خوف الٰہی وہ چیز ہے جو دعووں اور کردار میں فرق نہیں آنے دیتا۔

موازنہ

قرآن مجید کو ہمارے ہاں اہمیت ہی نہیں، حالانکہ حکومتی عہدوں پر فائز کرنے کی بنیادی شرط یہ ہونی چاہیے کہ امیدوار قرآن مجید کا مکمل ترجمہ جانتا ہو۔ مگر افسوس کئی امیدواروں کو تو قرآن مجید کے پاروں کی تعداد کا بھی علم نہیں، اسے پڑھنا، ترجمہ سیکھنا، عمل کرنا، دوسروں تک پہنچانا اور نافذ کرنا تو بعد کے مراحل ہیں۔

اللہ کے حضور پیشی اور آخرت کی فکر کے وعظ آج مسجد و مکتب کی چاردیواری تک محدود ہیں، حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس فکر کو ایوان بالا تک پہنچانے کا اشارہ دیا ہے۔ شاید ہی کوئی حکمران ہو جو اپنے خطبۂ صدارت یا قوم سے خصوصی خطاب میں ان امور کو شامل کرے۔ یہ بات تو خوش آئند ہے کہ اب حکمران طبقہ بھی مختلف مواقع پر آیات یا احادیث کا حوالہ دیتا ہے جیسا کہ میاں نواز شریف نے عمران خان کی عیادت پر حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا۔

عہدیداروں کو حکومتی خزانوں سے کچھ لینے کی اجازت تو ہے مگر اس میں احتیاط کی از حد ضرورت ہے جیسے یتیم کے مال میں ہوتی ہے۔ یہاں تو ملکی خزانے کو شیرِ مادر سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے اور اپنی جائیدادیں بنائی جاتی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خطبۂ خلافت

''امابعد! مجھے حکومت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، میں نے اسے قبول کر لیا ہے لیکن یاد رہے میں اتباع کرنے والا ہوں بدعات میں پڑنے والا نہیں۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنانے کے بعد میری تین ذمہ داریاں ہیں: تمھارے متفقہ امور اور طریقوں میں اپنے سے پہلے حضرات (سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما) کی پیروی کروں اور بھلائی کے جن امور کو انھوں نے باہمی مشورے سے طے کیا ہے ان میں انھی کی پیروی کروں اور تمھیں بے جا سزا نہ دوں۔ دنیا بڑی پرکشش ہے۔ اسے مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے، بہت سے لوگ اس کے دامِ فریب میں آ چکے ہیں۔ تم دنیا کی طرف مائل نہ ہونا۔ نہ اس پر اعتماد کرنا کیونکہ یہ دھوکے باز ہے۔ یقین جانو یہ صرف اسے چھوڑتی ہے جو اسے ترک کر دے۔ (تاریخ الطبری: 443/5)



اہم نکات

کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کے ساتھ ساتھ بدعات سے اپنا دامن بچانے کا عندیہ حکمرانوں کے منہ سے کس قدر اچھا لگتا ہے۔ پہلے خلفا میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبے میں ہمیں اس بات کا تہیہ نظر آرہا ہے کہ کسی پر زیادتی نہیں کروں گا اور جو اچھے طریقے رائج ہیں ان میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اسی انداز سے انھیں لے کر چلوں گا۔ پھر انھوں نے دنیا کی حقیقت کو واضح کیا۔

موازنہ

خلفائے راشدین دنیا کو اپنے آپ سے دور رکھنے کی تلقین کرتے تھے اور ان کا اپنا طرز عمل بھی زاہدانہ ہی تھا مگر آج زیادہ تر لوگ حکومتی عہدے دنیا کی چاہت میں طلب کرتے ہیں۔ اگر کوئی خدمت کے جذبے سے ایسا کرتا بھی ہے تو اس کے اندر بھی رضائے الٰہی سے زیادہ یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ دنیا میرے گن گائے۔ یا میری پارٹی کا نام روشن ہو مگر دیکھا جائے تو یہ بھی ایک لحاظ سے دنیا ہی کے لیے ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو بے لوث ہو کر عوام کی خدمت کرتے ہوں اور اس کا صلہ صرف خالق حقیقی سے لینے کے خواہشمند ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطبۂ خلافت

''میں یہ ذمہ داری اٹھانا پسند نہیں کرتا تھا۔ تم نے اصرار کیا کہ میں ہی یہ ذمے داری اٹھاؤں، لہٰذا میں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ میں تمھاری مدد کے بغیر یہ معاملات نہیں چلا سکتا۔ سنو! تمھارے مال کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ میں اس میں سے ایک درہم لینا بھی جائز نہیں سمجھتا۔ اے لوگو! امور مملکت میں تمھاری مرضی کے بغیر کسی کو تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ گزشتہ روز بعض امور پر اختلاف ہوا تھا۔ اگر تم چاہو تو میں دستبردار ہوجاتا ہوں۔ اس صورت میں میرے دل میں کسی کے خلاف میل نہیں آئے گا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے پوچھا: کیا تم مجھ پر راضی ہو؟ تمام حاضرین بولے: جی ہاں! سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ! گواہ رہنا۔''

اہم نکات

❀ لگتا ہے خیر القرون کے لوگ ذمہ داری اٹھانے سے کنارہ کش رہتے تھے۔ انھیں زبردستی ذمہ داری سونپی جاتی تھی۔ نصرت الٰہی کے شامل حال ہونے کی یہ ایک بڑی وجہ تھی۔ ❀ حکومتی اقدامات رعایا کے تعاون ہی سے پایہ تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں۔ حکمران اور رعایا ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ ❀ سرکاری خزانے سے ایک درہم لینے کے بھی روادار نہیں ہو رہے۔ ❀ رعایا کی طرف سے کوئی غلطی ہوجائے تو حکمران کو چاہیے کہ دل میں میل نہ رہنے دے۔ حکمران وہ اچھا ہے جسے لوگ بھی اچھا سمجھتے ہوں مگر موجودہ جمہوری نظام میں تو شاید ہی کوئی حکمران ہو جس سے سب راضی ہوں؟ ❀ لوگوں کو انتشار و اختلاف سے بچانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کی قربانی دے رہے ہیں۔

موازنہ

ہمارے ہاں عہدوں کی خواہش حرص سے بھی متجاوز کرچکی ہے لیکن خلفائے راشدین کو زبردستی یہ ذمہ داری سونپی جاتی تھی۔ جائز امور میں رعایا کی مرضی کا خیال رکھنا کلی طور پر ممنوع نہیں۔ ہاں اگر یہ احکام الٰہی کے خلاف ہو تو ناجائز ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے متعلق اٹھنے والے اختلاف کے باعث خلافت کے عہدے سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہیں مگر یہاں تو قائدین لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارتے ہیں اور اس قدر متنفر کرتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے قتل کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں، گھروں میں لڑائیاں ہوتی ہیں، میاں بیوی لڑ پڑتے ہیں اور نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبہ ہائے خلافت کے چند اقتباسات اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق و دروس اور ان کا موازنہ آپ کے سامنے رکھا۔ حالیہ انتخابات میں وزیر اعظم سمیت وزرائے اعلیٰ اور دیگر وزیر و مشیر اپنے اپنے عہدے کے حلف اٹھائیں گے اور خیالات کا اظہار کریں گے۔ مگر عہد خلافت کی مذکورہ خوبیوں کی جھلک بہت کم تناسب ہی سے دیکھنے کو ملے گی۔ آپ اس دور کے لوگوں کی ترجیحات کو بھی سامنے رکھیں اور موجودہ دور کی ترجیحات کو بھی سامنے رکھیں تو آپ کو واضح فرق نظر آئے گا۔ اللہ ہمیں یہ فرق مٹانے کے جذبات و احساسات نصیب فرمائے۔ آمین



آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق، ریسرچ فیلو دارالسلام

ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں آپ کے سوال وجواب بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ ماشاءاللہ قرآن وحدیث سے مدلل جواب ہوتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ کو یہ سوالات ارسال کر رہا ہوں۔ براہِ مہربانی اسی ماہ کے مجلّے میں ان سوالات کے جوابات ارسال فرما دیں۔ان سوالوں کے جوابات دے کر میری ذہنی الجھن کو دور فرمائیں کیونکہ مجھے ابھی تک کوئی شخص ان کے تسلی بخش جواب دے کر مطمئن نہیں کر سکا۔ لہٰذا دین کی روشنی میں ان کے جوابات جلد از جلد دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مجھے آپ کے جوابات کا شدت سے انتظار رہے گا۔شکریہ،اللہ آپ کا حامی وناصر ہو(آمین)

آپ کا بھائی: سہیل محمود، راولپنڈی

سوال نماز کے بعد الصلوٰۃ والسلام یا لا الہ الا اللہ کا بلند آواز سے ذکر کرنا کیسا ہے؟ ایک شخص نے رٹ دائر کی ہوئی ہے کہ مجھے مسجد میں بلند آواز سے یہ ورد کرنے کی اجازت دی جائے اور جج صاحب کا موقف ہے کہ مسجدیں ذکر کے لیے ہیں اور یہ بھی اللہ کا ذکر ہے، لہٰذا اجازت ہونی چاہیے۔

جواب نماز کے بعد الصلاۃ والسلام یا لا الہ الا اللہ کا ذکر بآواز بلند کرنا ناجائز ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ ہر ذکر خاموشی اور آہستگی سے کیا جائے الا یہ کہ قرآن وسنت میں بآواز بلند کوئی ذکر کرنے کی تصریح و دلیل موجود ہو تو ایسا ذکر اونچی آواز سے کرنا جائز ہو گا، یہ عام اصول سے مستثنیٰ صورت ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾''(اے نبی!) اپنے رب کو صبح وشام یاد کیا کرو دل ہی دل میں گریہ و زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ ، اور تم ان لوگوں میں سے نہ ہوجاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''(الأعراف 205:8) محل استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں اور زبان سے آہستگی سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

غزوۂ خیبر کے ایام کی بات ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دورانِ سفر ایک چڑھائی پر چڑھ رہے تھے اور اونچی آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کہہ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا وَهُوَ مَعَكُمْ» ''اپنی جانوں پر ترس کھاؤ،تم کسی بہرے اور غائب شخص کو نہیں پکار رہے،تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو خوب سنتی اور قریب ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔''(صحيح البخاري: 2992-4202)

معلوم ہوا عام حالات میں ذکر اذکار آہستہ ہی مسنون ومشروع ہے۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی پیش آیا، جلیل القدر صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس موقع پر تأثرات ملاحظہ فرمائیے! یہ معروف صحیح واقعہ مقدمہ سنن دارمی میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک مسجد میں چند لوگ ٹولیوں کی صورت میں کنکر پکڑے باآواز بلند سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر کا ورد کر رہے تھے۔ ایک شخص انھیں کہلواتا اور باقی لوگ وہی الفاظ بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے

بتانے پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں گئے، جائزہ لیا اور فرمایا: اے امت محمد یہ! تمھاری ہلاکت ہو، تم کس قدر جلدی سے ہلاک ہو رہے ہو، تمھارے نبی کے یہ صحابۂ کرام تمھارے اندر کثیر تعداد میں موجود ہیں (تم ان سے راہنمائی کیوں نہیں لیتے؟) رسول اللہ ﷺ کے یہ کپڑے ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوئے۔ اور برتن ابھی تک نہیں ٹوٹے (اور تم نے یہ بدعات شروع کرلیں) اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم یا تو ایسی ملت اور دین پر ہو جو ملت محمد یہ سے زیادہ راست ہے یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔ انھوں نے جواب دیا: ابو عبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! ہم بھلائی اور نیکی ہی کی نیت سے یہ کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «كَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ» ''کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو بھلائی کے متلاشی ہیں لیکن انھیں وہ حاصل نہیں ہوتی۔'' المختصر چونکہ ان لوگوں کا عمل، اگرچہ ان کی نیت نیک تھی، غیر مسنون اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج کے بالکل برخلاف تھا اس لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی خوب تردید فرمائی۔ (مقدمہ سنن دارمی، رقم الأثر: 210، تحقیق حسین سلیم اسد) معلوم ہوا کوئی بھی عمل یا ذکر اس کی شرعی حدود و قیود میں رہ کر ہی کرنا چاہیے، اس کی کیفیت یا ادائیگی کا طریقہ بھی وہی اپنایا جائے جو مسنون ہو۔ اس میں شخصی مرضی کا عمل دخل نہیں اور نہ صرف نیک نیتی ہی کام آتی ہے۔

ہاں جو ذکر اونچی آواز سے کرنا مشروع ہے وہ اونچی آواز کے ساتھ ہی ہونا چاہیے، خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، مثلاً فرض نماز کے بعد مندرجہ ذیل ذکر رسول اللہ ﷺ سے بلند آواز سے کرنا منقول ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس طرح کرنا چاہیے، وہ ذکر یہ ہے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَو كَرِهَ الْكَافِرُونَ» عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کو ہر فرض نماز کے بعد بآوازِ بلند پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: 594)

المختصر کسی شخص کو سوال میں ذکر کردہ مذکورہ ذکر یا عام اذکار کی انتظامیہ کی طرف سے مسجد میں اونچی آواز سے اجازت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ یہ عمل غیر مسنون ہے، نیز دیگر نمازیوں کے لیے وہ شخص سخت تشویش اور پریشانی کا باعث ہوگا۔ اور فاضل جج صاحب کا موقف بھی مرجوح ہے کیونکہ اگرچہ مساجد اللہ کے ذکر و عبادت کے لیے ہیں لیکن ذکر و عبادت کا وہاں وہی طریقہ اپنایا جائے جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کا اختیار کردہ یا پسندیدہ ہے۔

سوال Old Age Homes (عمر رسیدہ افراد کی اقامت گاہیں) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب شریعت میں اس نوعیت کے ادارے کے قیام کا قطعاً کوئی تصور نہیں ملتا۔ یہ مغربی معاشرے کی ایجاد ہے جہاں خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے اور خونی رشتوں کی پہچان ایک حد کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے خاندانی منصوبہ بندی اور اس کے نظام کے استحکام کے بجائے وہاں اولڈ ایج ہومز کا اضافہ روز افزوں ہے۔ اسلامی ممالک میں اس قسم کے اداروں کی در اندازی یقیناً بہت سے خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے شریعت کی رو سے اس قسم کے اداروں کے قیام کے بجائے اولاد کی اسلامی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام ہونا چاہیے، اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ اور اس کی تعلیم و تدریس کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جانا چاہیے اور اہل مغرب کی اس بدعت کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔

سوال کیا مسلم تاریخ میں ''اولڈ ہومز'' یا اس کے مشابہ اداروں کا وجود رہا ہے؟

جواب مسلم تاریخ میں اس قسم کے اداروں کا وجود نہیں ملتا، بلکہ بیت المال، محکمہ اوقاف یا اسی قسم کے مالیاتی اور عمومی خیراتی اداروں کے قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اولڈ ہومز خاندانی نظام سے تہی دست اہل مغرب کی ایجاد ہے۔ بلکہ مسلم معاشرے میں اولڈ ہومز کے قیام کے بجائے نافرمان اولاد کی تعزیر و تادیب کے لیے حکومتی سطح پر عقوبت خانوں کا انتظام ہونا چاہیے، جہاں نافرمان اور بدنصیب اولاد کو سرزنش کی جائے، قانوناً ان کا مؤاخذہ ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلم معاشرے سے اولڈ ہومز کا تصور ہی ختم ہو جائے گا، اور نافرمان اولاد کو بھولا ہوا سبق یاد آ جائے گا۔

سوال اسلامی معاشرے میں ''اولڈ ہومز'' جیسے اداروں کے بڑھنے کی کیا وجوہات ہیں جبکہ

دین اسلام نے والدین کے مقام و مرتبے کو خوب واضح کیا ہے؟

جواب یقیناً اس کی بعض وجوہات ہمارے سامنے ہی ہیں۔ معاشرے میں جس قدر دینی تعلیمات سے دوری ہوگی اسی قدر انسان اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور ذاتی مفادات کا شکار ہوگا۔ والدین کے حقوق اور اپنے فرائض سے ناواقف ہوگا، اگرچہ والدین کے مقام و مرتبے پر اسلام نے خوب روشنی ڈالی ہے لیکن یہ تعلیمات تو تبھی کارگر اور مفید ثابت ہوں گی جب انسان یہ تعلیمات حاصل کرے، پڑھے اور پھر ان کی روشنی میں زندگی گزارنے کی بھرپور محنت کرے۔ مختصر یہ کہ جس قدر والدین کی نافرمانی ہوگی، ان کے مقام و مرتبے کو فراموش کیا جائے گا مستزاد یہ کہ اولاد اس نافرمانی کے انجام سے بھی یکسر بے خوف یا لاعلم ہو تو جیسے دوسرے جرائم روز افزوں بڑھ رہے ہیں ویسے ہی والدین کی ناقدری میں بھی اضافہ ہوگا، جب والدین کی ناقدری اور ان کی خدمات کی ناسپاسی ہوگی اور انھیں گھر بار سے بے دخل کر دیا جائے تو اولڈ ایج ہومز میں اضافہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ یقیناً جب مرد بیوی کا حد سے زیادہ مطیع فرماں بنتا ہے، یا اس کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے اور ہر صاحب حق کے حق کو نہیں سمجھتا اور بیوی بھی الگ رہنے یا والدین کو الگ کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، اور معاملہ ناگفتہ بہ صورت حال اختیار کر جاتا ہے تو تب بھی یہ نوبت آجاتی ہے۔ عرف عام کے مطابق انسان کو ''رن مرید'' نہیں ہونا چاہیے۔ اہلیہ کے بے جا غلط سلط مطالبات کی پیروی اور اس کی غیر شرعی فرمائشوں کی تکمیل یقیناً گھر کی تباہی ہی تباہی ہے۔

سوال موجودہ نسل کی بے راہ روی میں ''اولڈ ایج ہومز'' کا کہاں تک کردار ہے؟

جواب بوڑھے ماں باپ کو جب اولاد قبول نہ کرے، ان کی بنیادی ضروریات کا بالکل خیال نہ رکھے بلکہ الٹا ان کی نافرمانی کرے، ان سے بے رخی کرے، کئی کئی دن تک ہم کلام نہ ہو، انھیں جھڑکے، گالی گلوچ دے، بعض بدنصیب تو انھیں پیٹتے بھی ہیں، گھر سے بے دخل بھی کرتے ہیں، یا بعض والدین ان کے ناروا سلوک کی بنا پر اور ہر طرح سے ناامید ہو کر خود ہی ان رفاہی اداروں کا رخ کرلیں کہ جہاں انھیں زندگی کی بنیادی ضرورتیں مہیا ہوں تو یقیناً ایسی ناگفتہ بہ صورت حال میں اس قسم کے ادارے کی افادیت کا کون منکر ہوسکتا ہے؟

سہیل محمود صاحب آپ کے آخری سوال کا جواب آئندہ شمارے میں آئے گا، ان شاء اللہ۔

سوال ٹھیکے والی زمین کا عشر ٹھیکہ نکال کر دیں یا پہلے؟

جواب ٹھیکے والی زمین کا عشر ٹھیکے کی رقم منہا کرنے سے قبل ہی نکالنا ضروری ہے، قرآن و حدیث کے دلائل کا عموم یہی تقاضا کرتا ہے۔ یعنی احادیث میں اس قسم کے اخراجات نکالنے کا ذکر موجود نہیں لہٰذا انھیں عشر سے قبل منہا نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ﴾ ''اور جو کچھ ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے۔ (اس میں سے خرچ کرو)۔'' (الأنعام 141:6) نیز فرمایا: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ ''فصل کاٹتے ہی اس سے اللہ کا حق ادا کردو'' اس آیت سے بھی کوئی چیز مستثنیٰ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: «فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ» ''وہ زمین جسے بارشی پانی اور چشمے سیراب کرتے ہوں یا فصل اپنی جڑوں ہی سے پانی کھینچ لاتی ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے اور جو کسی جگہ سے پانی کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عشر یا نصف عشر کا دارومدار پانی کی دستیابی کے طریقے پر ہے کہ اگر سیرابی قدرتی وسائل سے کسی خرچے اور محنت ومشقت کے بغیر ہو تو عشر لازم ہوگا وگرنہ نصف عشر، دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ شریعت میں زمینی زکاۃ کی ادائیگی میں صرف پانی کے اخراجات کا اعتبار ہے، کسی اور خرچے کا نہیں۔

سوال ٹھیکے کی رقم لینے والے پر اس رقم سے عشر لازم ہوگا یا زکاۃ ہوگی؟

جواب ٹھیکے کی صورت میں چونکہ ٹھیکیدار ہی پیداوار کا کلی مختار و متصرف اور اس کے نفع ونقصان کا مالک اور ذمہ دار متصور ہوتا ہے اور کاشتکاری میں بھی براہ راست چونکہ اسی کا عمل دخل ہوتا ہے اس لیے عشر نکالنے کا مکلّف بھی وہی ہوگا، جبکہ زمیندار یا حقیقی مالک کی دریں صورت یہ حیثیت نہیں، اس کی حیثیت تو صرف اس شخص کی سی ہے جو کوئی چیز کسی کو کرائے پر دیتا ہے اور کرایہ وصول کرتا ہے۔ بس ایسے شخص پر صرف صاحب نصاب ہونے پر سالانہ زکاۃ فرض ہوگی اور کچھ نہیں۔

حزب اقتدار و اختلاف

(شریعت کے آئینے میں)

حافظ محمد حق نواز، ریسرچ فیلو دارالسلام





اسلام صرف نماز روزے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مربوط کرنے والا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہے۔ اس نظام میں عدل و انصاف، اخوت اور اخلاقیات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ایثار، محبت، رواداری، حلم و بردباری، دیانت و امانت اور قناعت اس کی بنیادی تعلیمات ہیں۔

اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اور قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن وسنت کی شکل میں بنیادی قوانین اتارے گئے ہیں جن کا نفاذ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی حکومت کا سربراہ مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کا تابع ہوتا ہے۔

سربراہ مملکت کے لیے عوام سے رائے لینا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے عوام میں سے چند ذی شعور اہل علم کا انتخاب کر کے ایک مجلس شوریٰ بنائی جاتی ہے۔ جو خلیفہ کے سامنے عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ خلیفہ کسی بھی حکم کے نفاذ سے قبل ان سے مشاورت کرتا ہے اور ان کی رضامندی کے بعد اسے قانون کی شکل دیتا ہے۔

اسلام کے اس نظام مشاورت کو سامنے رکھتے ہوئے بعض ممالک نے اس سے ملتا جلتا نظام ترتیب دے رکھا ہے۔ وہ سب سے پہلے کسی معاملے کو ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ) میں پیش کرتے ہیں، غالب رائے سے پاس ہونے کے بعد اسے سینٹ میں پیش کیا جاتا ہے اور سینٹ کی توثیق کے بعد اسے قانون کی شکل دے دی جاتی ہے۔ بظاہر دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں کچھ فرق ہے۔

اسلامی نظام میں مجلس شوریٰ جو بھی فیصلہ کرتی ہے وہ فقط عوامی فلاح و بہبود کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت میں حزب اقتدار بسا اوقات اپنے مفادات کے لیے قانون سازی کرتی ہے اور حزب اختلاف ان مفادات سے حصہ نہ ملنے کی وجہ سے احتجاج کرتی ہے۔ یعنی جمہوری نظام میں عموماً قرآن وسنت اور عوامی مفاد کو سامنے رکھے بغیر قانون سازی کی جاتی ہے جبکہ اسلامی نظام میں قرآن وسنت کی شکل میں قانون پہلے سے موجود ہے، صرف نفاذ کی ضرورت ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں کسی کو استثناء حاصل نہیں، خلیفہ کو بھی ایک ایک پائی کا حساب دینا پڑتا ہے۔ اور ایک عام آدمی بھی اپنے اشکال کا برملا اظہار کر کے وضاحت طلب کر سکتا ہے۔ قرون اولیٰ میں اس کی بے شمار امثلہ موجود ہیں۔

خلیفۂ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن دوران خطبہ ارشاد فرمایا: «اَیُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا وَاَطِیْعُوا» ''اے لوگو! بات سنو اور اس کی اتباع کرو۔'' اسی دوران ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کاٹتے ہوئے بولا: ''اے عمر! کوئی سمع وطاعت نہیں ہوگی۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ



نے انتہائی نرمی سے پوچھا: ''کیوں؟ اے اللہ کے بندے کیوں؟'' کہنے لگا: مال غنیمت میں سے سب کے حصے میں جو چادر آئی ہے اس سے مکمل قمیض کی تیاری ناممکن ہے لیکن آپ کے حصے میں آنے والی چادر سے مکمل قمیض کیسے بن گئی ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے وہیں ٹھہرایا اور اپنے بیٹے کو بلایا اور ان سے اس معاملے کی وضاحت طلب کی۔ انھوں نے فرمایا: ''ایک چادر سے میرے والد کا لباس مکمل نہ ہو سکا تو میں نے اپنے حصے کی چادر بھی انھیں دے دی تاکہ ان کا لباس مکمل ہو جائے۔'' اس وضاحت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطمئن ہو گئے اور سمع وطاعت کے لیے بھی تیار ہو گئے۔

(عیون الأخبار: 55/1)

نظام عدل کے نفاذ کی بنا پر سارا معاشرہ پر امن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ خود بھی بلا خوف و خطر زندگی گزارتا تھا۔ اسے سیکڑوں کی تعداد میں سیکورٹی گارڈز اور محافظ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ وہ درخت کے نیچے اطمینان کی نیند سوتا تھا۔ وہ حکومتی معاملات اس طریقے سے ادا کرتا تھا کہ اس کی پارلیمنٹ میں نہ کوئی حزب اقتدار تھی نہ حزب اختلاف۔ ساری پارلیمنٹ ہی اس کی پارٹی ہوتی تھی بشرطیکہ وہ حق پر ہوتا۔ اگر وہ حق کی مخالفت کرتا تو ساری پارلیمنٹ ہی اپوزیشن کا کردار ادا کرتی تھی۔

خلفائے راشدین ہر وقت اپنے آپ کو عوامی تنقید کے لیے تیار رکھا کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اعلان کر دیا تھا کہ ''اگر میں صحیح کام کروں تو میری اطاعت کرنا اور اگر میں غلط روش اختیار کروں تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دینا۔'' (البدایہ والنہایہ: 306/6) اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''لوگوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو مجھے میری کوتاہیوں سے آگاہ کرے۔'' (نظام الحکم فی عھد الخلفاء الراشدین، ص: 197)

یہ ہستیاں رولز ماڈل ہونی چاہییں، آج کے حکمرانوں کے لیے۔ اگر ایسا ہو گا تو پھر ان میں خدا خوفی بھی آئے گی اور اخروی حساب بھی ان کے پیش نظر ہو گا۔ کیونکہ اس حساب میں کوئی کاریگری کام نہ آ سکے گی۔

موجودہ دور کو دیکھا جائے تو اس میں مختلف سیاسی جماعتیں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں اور اپنے اپنے منشور پیش کرتی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ جس جماعت کا منشور ملک وقوم کے لیے سب سے اچھا ہو، اسے کامیاب کروا کر حکومت کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن ہمارے ہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ غریب لوگ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے زرخرید غلام ہوتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے ووٹ بھی کاسٹ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کامیاب وہی ہوتا ہے جسے سرمایہ دار پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ جو جماعت سادہ اکثریت حاصل کر لے وہ وزارت عظمیٰ کی حقدار بن جاتی ہے۔ بنابریں ایوان میں دو گروپ وجود میں آتے ہیں: حزب اقتدار اور حزب اختلاف۔

حزب اقتدار اپنے منشور اور ایجنڈے کے مطابق کام شروع کر دیتی ہے۔ بعض اوقات برسر اقتدار جماعت اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اپنے ذاتی فائدے کی خاطر آئین کا حلیہ تک بگاڑ دیتی ہے۔ جب ملک میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو بدامنی اور افراتفری کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر برسر اقتدار پارٹی اکثریت کا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ حزب اختلاف حکومتی سرگرمیوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہوتی ہے۔ حکومتی کوتاہیوں اور غلطیوں سے عوام کو آگاہ رکھتی ہے اور ہمیشہ کوشش میں رہتی ہے کہ رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کر سکے۔ حزب اقتدار کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتی۔ برسر اقتدار پارٹی کی غلط پالیسیوں، بے جا ٹیکسوں، ناجائز پابندیوں اور مہنگائی کے ہوشربا اضافے سے جب لوگ تنگ آ کر بطور احتجاج سڑکوں پر نکل آتے ہیں تو حزب اختلاف ان کی قیادت سنبھال لیتی ہے۔ نتیجتاً برسر اقتدار پارٹی کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ از سر نو الیکشن ہوتے ہیں۔ وہی سرمایہ دار اور جاگیردار لوگ چہرے بدل بدل کر حکومت کرتے رہتے ہیں۔ ایک پارٹی برسر اقتدار آ کر حزب اقتدار بن جاتی ہے دوسری حزب اختلاف۔ اگلے انتخابات میں دوسری پارٹی کی باری ہوتی ہے۔ وہ حزب اقتدار بن کر سابقہ ٹیکس ختم کر دیتی ہے۔ نئے ہتھکنڈے اور عوام کو لوٹنے کے نئے طریقے ایجاد کر لیتی ہے۔ ٹیکسوں کی نئی صورتیں نکال لیتے ہیں۔ ہر صورت میں عوام ہی ظلم کی چکی میں پستے ہیں۔

اگر حزب اختلاف نیک نیتی سے اپنی ذمہ



داریوں کو بروئے کار لائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پارلیمنٹ میں ایسا کوئی قانون پاس نہ ہونے دے جس سے ملک و قوم کا نقصان ہوسکتا ہے۔ ترقیاتی منصوبوں پر کڑی نظر رکھے۔ کسی بھی منصوبے میں کرپشن نہ ہونے دے۔ حزب اختلاف کی تنقید اور احتساب کے خوف سے حزب اقتدار صحیح کام کرے گی اور ملک وقوم کا فائدہ ہوگا۔

اگر حزب اختلاف حسد کی آگ میں جلنا شروع کر دے تو پھر اولاً تو وہ کوئی ایسا منصوبہ شروع ہی نہیں کرنے دیتے جس سے برسر اقتدار پارٹی کی نیک نامی ثابت ہو۔ اگر شروع ہوجائے تو رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیتی ہے۔ وہ حزب اقتدار کی ہر پالیسی کی مخالفت کرتی ہے اور اسے بے کار بنا کر پیش کرتی ہے۔ خواہ وہ پالیسی ملک وقوم کے عین مفاد میں ہو۔ اس بلاجواز تنقید کی بنا پر حکومت اپنے دور اقتدار میں کوئی بھی قابل قدر کام نہیں کر سکتی۔ نتیجتاً عوام کی نظریں دوسرے گروہ پر لگ جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ اس ساری صورت حال میں نقصان عوام ہی کا ہوتا ہے۔ حزب اختلاف اور حزب اقتدار کی اسی کشمکش میں عوام فٹ بال بنے ہوتے ہیں۔ ایسے حزب اختلاف کی شرعاً کہیں گنجائش نہیں بلکہ ایسے کردار کے مالک لوگ سخت سزا کے لائق ہیں۔ ہمارے ملک کو وجود میں آئے 66 سال ہوگئے ہیں لیکن ہمارے ملک کے بنیادی مسائل غربت، بے روزگاری، جہالت، لوڈشیڈنگ، بدامنی و دہشت گردی، مہنگائی اور فحاشی کو ختم کرنا تو دور کی بات ہے کم بھی نہیں کیا جاسکا۔ ان مسائل کی دلدل میں لوگ دھنستے ہی جارہے ہیں۔

حزب اختلاف اور حزب اقتدار کی کشمکش اور سیاست دانوں کی ہٹ دھرمی وانا کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم اپنے ملک کو 1971ء میں دو حصوں میں تقسیم کروا بیٹھے۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ دشمنوں کی سازشیں اب پھر عروج پر ہیں۔ پاکستان میں لسانی بنیادوں پر مزید صوبوں کے قیام کے لیے لوگوں کو ابھارنا، بلوچستان میں علیحدگی پسند تحریکوں کی پس پردہ معاونت کرنا، پورے ملک میں بم دھماکے اور خودکش حملے کروانا سب دشمنان پاکستان کی کارستانیاں ہیں۔ ہمارے ہی ملک کے بعض باشندے غیروں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ غیروں سے وصول شدہ چند ٹکوں کے عوض اپنے ہی بھائیوں کو مار رہے ہیں۔ ہمارے اپنے منتخب کردہ نمائندے جب برسر اقتدار آجاتے ہیں تو وہ بھی یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے اشاروں پر ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسمبلیوں میں بیٹھ کر اپنے ہی ملک اور اپنے ہی بھائیوں کے خلاف قراردادیں پاس کرتے ہیں۔ اکثر منتخب ارکان اسمبلی جس حلقے سے منتخب ہوتے ہیں اس حلقے کے عوام کے مسائل حل کرنا تو دور کی بات اگلے انتخابات تک عوام کو منہ تک نہیں دکھاتے۔ قبائلی علاقہ جات میں تخریبی کارروائیاں، ڈرون حملے، اغوا اور ٹارگٹ کلنگ انھی عاقبت نا اندیش لوگوں کے کارنامے ہیں۔ ہمیں موجودہ صورت حال میں کتاب وسنت سے زیادہ سے زیادہ رہنمائی لینی چاہیے۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ» ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری اس کے رسول کی سنت ہے۔'' (المؤطا، باب النهی عن القول بالقدر، حدیث: 1594) فرمان رسول کی روشنی میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کو پوری زندگی پر نافذ کرنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے جبکہ ہمارے حکمرانوں نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کو نصاب تعلیم سے خارج کرنا شروع کر دیا ہے۔ دینی تعلیمات سے دوری کے نتیجے میں ہم غیروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ بقول شاعر:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اس سارے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہر آدمی کو انتہائی حکمت، تدبر اور صبر کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے اولی الامر (حکمران) ہیں۔'' (النسآء 59:4) اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی کچھ باتوں کو تم اچھا سمجھو گے اور کچھ کو برا۔ تو جس نے بری باتوں پر



ناراضگی کا اظہار کیا وہ بری الذمہ ہو گیا اور جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا، مگر جو ان پر راضی ہو گیا اور پیروی کرنے لگا اس کا مؤاخذہ ضرور ہو گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: جب ایسے حکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔''

(صحیح مسلم: 1854)

موجودہ انتخابات میں عوام نے اپنا حق رائے دہی استعمال کر کے ایک نئی جماعت کو کرسیٔ اقتدار پر بیٹھنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ سابقہ حکومت اپنی نا اہلیوں اور ریکارڈ کرپشن کی بنا پر مشہور ہو چکی تھی۔ اس وجہ سے عوام کی عدالت میں وہ ریجیکٹ ہوگئی۔ دشمن طاقتوں نے عوام کے مینڈیٹ کو چرانے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے لیکن وہ اس میں اپنی امیدوں کے مطابق کامیاب نہ ہو سکے۔

بہرحال برسر اقتدار آنے والی جماعت کو کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اسے محض پھولوں کی سیج سمجھنے کی بجائے عوام کی توقعات پر پورا اترنا ہو گا۔ اور اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی نیابت میں استعمال کرنا ہو گا، ورنہ گزشتہ حکومت کی طرح وقت اسے بھی قصۂ پارینہ بنا دے گا۔

اسے چاہیے کہ انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے پاکستان کو بے روزگاری، لوڈشیڈنگ، کرپشن اور سودی قرضوں سے نجات دلا کر ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ترقیاتی منصوبے شروع کر دے۔ اور حزب اختلاف کو بھی چاہیے کہ حزب اقتدار کے ساتھ ترقیاتی کاموں میں بھرپور تعاون کرے۔ جرح برائے جرح کی پالیسی سے پرہیز کرے۔ ان کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے۔ تو خلوص نیت کی وجہ سے تمام اچھے کاموں میں ان کا بھی حصہ ہو گا اور اللہ انھیں بھی خدمت کا موقع دے گا۔

اس وقت حکمت و تدبر سے کام لے کر آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی اختلاف کو خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کر کے ملک و ملت کی خوشحالی کے لیے بہترین منصوبے شروع کر دینے چاہئیں۔ ان میں بہتری اور ترقی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اختلاف کسی صورت میں بھی ہمارے لیے فائدہ مند نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو۔'' (آل عمران 3:103)

اللہ نے ہمیں بے پناہ وسائل سے نواز رکھا ہے۔ تیل، گیس اور کوئلے کے بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ ان سے استفادہ کے لیے ہمیں محنت کر کے جدید ٹیکنالوجی حاصل کرنا ہو گی۔ ہمیں اپنے آپ کو من حیث القوم بدلنا ہو گا۔ چائنہ کی مثال دیکھ لیں۔ کوریا، ملائیشیا اور جاپان کا شمار اس وقت اگر ترقی یافتہ اور خوشحال ممالک میں ہوتا ہے تو وہ صرف ان کی سخت محنت ہی کا نتیجہ ہے۔ ہمیں اپنے اندر تبدیلی لانا ہو گی۔ گناہوں سے نجات پا کر اطاعت الٰہی کا راستہ اپنانا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ ''بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، حتی کہ وہ اسے بدل لیں جو ان کے نفسوں میں ہے۔'' (الرعد 11:13)

حزب اقتدار ہو یا حزب اختلاف یا پھر عوام ہر ایک کو اپنی ذمے داری بخوبی نبھانی چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ہر ایک ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن ہر بندے سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ اگر وہ لوگوں پر حکمران ہے تو اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے، اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ غلام اپنے مالک کے مال کا نگران ہے، اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہو گا۔'' (صحیح البخاری: 7138) ہر ایک کو دیانت و امانت اور خوف الٰہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔ ہر بندے نے اپنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ ہر ایک کو اس کے اچھے اعمال کا فائدہ ہو گا اور برے اعمال کا نقصان۔ ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ''نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا اجر ملے گا اور برائی کرنے والے کی برائی کا وبال بھی اسی پر ہو گا۔'' (البقرۃ 2:286)

اللہ ہم سب کو خلوص نیت سے ملک و ملت کی ترقی کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

رزقِ حلال ہی کیوں؟



خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام

آخری قسط(4)

مال حلال پر اکتفا

اس لیے آیئے! ورع پیدا کریں، تقوی اور پرہیز گاری، زہد اور قلیل پر اکتفا، اس کے ہم خوگر بن جائیں، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «طُوبٰى لِمَنْ أَسْلَمَ رُزِقَ كَفَافاً وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِالْقَلِيلِ» ''خوشخبری ہو جنت کی، طوبی جنت کی ایک قسم، جنت کا ایک درخت، سارے معنی موجود ہیں، خوشخبری ہو جس میں تین خوبیاں پیدا ہو جائیں، جس کو اللہ تعالیٰ اسلام کی ہدایت دے دے اور اس کا رزق کفاف، جتنی معیشت ہو اس سے اس کا گزارا ہو جائے۔ اتنی زیادہ نہ ہو کہ قیامت کے دن سوال وجواب کی الجھن میں پھنس جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مال کے حوالے سے قیامت کے دن دو سوال ہوں گے: «مَالُكَ مِنْ أَينَ كَسَبْتَهُ وَفِي مَا أَنْفَقْتَهُ» ''بندے یہ تیرا مال، کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟'' (مسند أبي يعلىٰ: 110/5) اور جس کا مال کفاف ہوگا فرمایا کہ بڑا مبارک انسان ہے، خوشخبری ہو اس کے لیے: «وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِالْقَلِيلِ» ''اللہ تعالیٰ اس کو تھوڑے مال پر قناعت دے دے۔'' تھوڑے مال پر صبر وشکر عطا فرما دے۔ فرمایا کہ وہ بشارتوں کا مستحق ہے۔ (صحيح مسلم: 1054، و السلسلة الصحيحة: 128/1)

زیادتی مال کے لیے بھیک مانگنا

اس حدیث کو سامنے رکھیے اور کثرتِ مال میں یہ شکر جو ہے اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ یہ شکر بڑا گھاٹے کا سودا ہے۔ ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (التکاثر 102-1,2) یہ کثرت مال اور کثرت اولاد کی دوڑ نے، اس طلب نے تمھیں ایسا برباد کیا، ایسا برباد کیا کہ تم اس دوڑ میں لگے رہے حتی کہ قبر تک پہنچ گئے، تمھیں ہوش ہی نہیں آیا۔ «مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّراً» اللہ کے پیغمبر کی حدیث ہے، جو لوگوں سے مانگتا پھرے، یہ بات بھی بتانی تھی، یہ بھی اس معاشرے کا تاریک ترین مرض ہے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور بالخصوص میرے وہ بھائی جو اپنے آپ کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں، یا علماء کی صف میں شمار کیا جاتا ہے اس تفضّل سے بچو۔ دنیا داروں کے پاس جانا، چکر لگانا، طواف کرنا ان کے، علماء کا مقام نہیں ہے اس شکر سے بچو۔ بازار، دکانیں یہ دنیا کی بدترین جگہیں ہیں۔ وہاں جاؤ گے غیبتیں سننی پڑیں گی۔ وہاں جاؤ گے کسی کی ریکارڈنگ بج رہی ہے، کانوں میں گانوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ نہ کان محفوظ نہ آنکھیں محفوظ اور پھر کرنے کیا جارہے ہو سوال کرنے کے لیے۔ اہل علم کا مقام ہے یہ؟ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جو شکر کی خاطر سوال کرے کہ میرا مال بڑھے، کبھی اس سے مانگتا، کبھی اس سے مانگتا، فرمایا کہ قیامت کے دن آئے گا اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ (صحيح البخاري: 1474، و صحيح مسلم: 1041) ہڈیوں کا پنجرہ لے کر آئے گا۔ گوشت نہیں ہوگا اس کے چہرے پر، اور اس کے مقابلے میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا:



«مَنْ يَّضْمَنْ لِي وَاحِدَةً أَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ» ''کون ہے وہ شخص جو مجھے ایک چیز کی ضمانت دے دے، ایک وعدہ کر لے آج میرے ساتھ اور میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں تیار ہوں۔ تو اللہ کے پیغمبر نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ «لَا تَسْأَلِ النَّاسَ شَيْئًا» کبھی لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا، کبھی لوگوں سے مت مانگنا، اس چیز پر تم قائم رہو، میں ''محمد'' تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں، ضمانت دیتا ہوں کہ تم جنت میں ضرور جاؤ گے۔ (مسند احمد: 279/5) یہ بھی اس معاشرے کا ایک مرض ہے، سوال کرنا، ہاتھ پھیلانا۔ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: «الْيَدُ الْعُلْيَا خَيرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى» اوپر کا ہاتھ بہتر ہے نیچے کے ہاتھ سے۔ فرمایا کہ «الْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ» ''اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے'' «وَالْيَدُ السُّفْلٰى السَّائِلَةُ» ''نیچے کا ہاتھ سوال کرنے والا ہے۔'' (صحیح البخاری: 1427، و صحیح مسلم: 1033) اوپر کا ہاتھ بہتر ہے۔ خوشخبری ہو اس بندے کے لیے جس کو اللہ اسلام کی ہدایت دے دے، رزق کفاف دے دے اور کم رزق پر اس کو قانع کر دے۔ مقتنع ہو جائے تھوڑے مال پر، اور فقر و فاقہ بھی اگر آئے تو اسے فقر و فاقہ میں لذت محسوس ہو۔ یہ سب اللہ کی رحمت ہے۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ سوچ کر خوش ہو کہ میں حرام سے بچا ہوں۔ حرام کے راستے میرے سامنے موجود ہیں، سوال بھی کر سکتا ہوں، مانگ بھی سکتا ہوں لیکن نہیں، شریعت کے حدود پر قائم ہے، اگر فاقے آتے ہیں، فقر آتا ہے تو وہ خوش ہو۔ اس کا دل مطمئن ہو، اسے خوشی ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی معیشت

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اختیار دیا کہ دو میں سے ایک چیز بن جاؤ۔ یا تو نبی ملک یا نبی فقر، بادشاہ نبی یا فقیر نبی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: «فَاخْتَرْتُ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا رَسُولًا» میں نے پسند کیا کہ بادشاہ نہ بنوں بلکہ فقیر بنوں۔ (مجمع الزوائد: 307/9، و مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: 22/35) اللہ کے پیغمبر کی زندگی آپ کے سامنے ہے، صحابہ کرام کی معیشت آپ کے سامنے ہے۔ جنتیں کس طرح وہاں تقسیم ہو رہی ہیں؟ «أَبُوبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ» بہشتیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ غور تو کریں وہ کیسا معاشرہ تھا۔ اللہ کے پیغمبر فوت ہوئے «وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ بِالْيَهُودِيِّ» ''آپ کی درع ایک یہودی کے پاس گروی پڑی ہوئی تھی۔'' (صحیح البخاری: 2916) یہ آپ کی معیشت ہے، آپ کی درع ایک یہودی کے پاس تیس صاع اناج کے بدلے گروی پڑی ہے۔ صحابہ کرام نے بعد میں وہ اناج واپس کر کے اللہ کے پیغمبر کی درع کو چھڑوایا۔ یہ آپ کی معیشت ہے۔ تین تین چاند گزر جاتے آپ کے گھر چولھا نہیں جلتا تھا۔ ازواج مطہرات بعض اوقات رات کو چراغ جلانے کے لیے پڑوسیوں سے تیل ادھار لے کر آتیں۔ اللہ کے پیغمبر نے انس بن مالک کو بھیجا، جاؤ! فلاں یہودی کے پاس جاؤ، اس کا کپڑوں کا کاروبار ہے۔ ازواج محمد کے پاس کپڑے نہیں ہیں، میری بیویوں کے پاس، امہات المومنین کے پاس کپڑے نہیں ہیں، اسے جا کر کہہ دو کہ محمد کچھ کپڑے مانگتا ہے: «إِلٰى مَيْسَرَةٍ» ''جب آسانی ہو گی تمھیں ادا کر دوں گا۔'' انس بن مالک کچھ دیر کے بعد روتے ہوئے آئے، اللہ کے پیغمبر نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کہا کہ یہودی نے جو جواب دیا ہے اس نے رلا دیا، یہودی نے کہا: محمد سے جا کر کہہ دو: تمھاری کون سی فیکٹریاں چل رہی ہیں، یہ میرے کپڑے کب دو گے؟ تمھاری کون سی فیکٹریاں چل رہی ہیں۔ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: «كَذَبَ عَدُوُّاللّٰهِ» اس دشمن خدا نے جھوٹ بولا۔ «إِنَّهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنِّي أَصْدَقُهُمْ حَدِيثاً وَأَبَرُّهُمْ عَهْدَهُ وَ أَوْفَاهُمْ طَهْرَهُ» ''ورنہ پوری دنیا جانتی ہے اور وہ یہودی بھی جانتا ہے کہ سب سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا اور سب سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا محمد رسول اللہ ہے۔'' (مسند احمد: 243/3، معناً) یہ آپ کی معیشت ہے۔ گھر سے باہر نکلے، ابوبکر و عمر سامنے آتے ہوئے نظر آئے۔ رات کا وقت، فرمایا کہ «مَاأَخْرَجَكُمَا» ''گھر سے کیوں باہر آئے، کیا بات ہے؟'' کہا کہ «الْجُوعُ» یا رسول اللہ! ہمیں بھوک نے گھر سے باہر نکال دیا، کھانا گھر میں موجود نہیں، کروٹیں بدل رہے تھے اور ٹائم پاس کرنے کے لیے گھر سے باہر آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:



«لَأُخْرِجَنِي الَّذِي أَخْرَجَكُمَا» ''جس چیز نے تمھیں گھر سے نکالا اسی نے مجھے بھی نکالا'' میں بھی بھوکا ہوں، اللہ اکبر، کائنات کے سردار، یہ آپ کی معیشت۔ رزقِ حلال پر قناعت کی مثالیں سنیے آپ! ورنہ کیا کچھ نہیں آسکتا، یہ آپ کی معیشت، فرمایا کہ چلو کہیں چلتے ہیں۔ ایک گھر جا کر دستک دی۔ وہ ایک انصاری کا گھر تھا۔ پوچھا: فلاں کہاں ہے؟ بیوی نے کہا: وہ گئے ہیں، آپ بیٹھیں، ابھی وہ آجائیں گے۔ انصاری بھی پہنچ گیا اور کہا: آج جیسا بہترین دن میری زندگی میں کبھی نہیں آیا اور آج جیسے پاکیزہ مہمان میرے گھر میں کبھی داخل نہیں ہوئے۔ اللہ کے پیغمبر کو بٹھایا، کھجوریں لے آئے، پانی پیش کیا اور چھری ہاتھ میں پکڑ لی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر جانور ذبح کرنا ہے تو «إِيَّاكَ وَالْحَلُوبَ» دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا ورنہ تمھاری جو روزی ہے اس میں قلت واقع ہوجائے گی۔ جانور ایسا ذبح کرنا جو دودھ نہ دیتا ہو۔ چنانچہ وہ گوشت پیش کیا، اللہ کے پیغمبر نے کھایا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: «هَذَا مِنَ النَّعِيمِ الَّتِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَومَ الْقِيَامَةِ» ''قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ (صحیح مسلم: 2038، و جامع الترمذی: 2369) یہ آپ کی معیشت ہے۔ گھر میں مہمان آگئے، مسجد میں ساتھ لے آئے اور کہا کہ ان دو مہمانوں کو کون لے کر جائے گا؟ محمد کے گھر میں کچھ نہیں ان کو پیش کرنے کے لیے۔ ایک مہمان ایک صحابی لے گیا، دوسرا مہمان دوسرا صحابی لے گیا۔ اب ایک صحابی کا واقعہ سنیں! اپنے گھر لے تو گیا، گھر میں بیوی سے پوچھا: کچھ ہے ان کے لیے؟ کہا: کچھ نہیں، «إِلَّا قُوتُ الصِّبْيَانِ» ''بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پڑا ہوا ہے۔'' تھوڑا سا کھانا، جو بچوں کو دے نہیں رہی، اس لیے کہ ابھی تو بچے سو ہی جائیں گے بالآخر۔ رات ہے کروٹیں بدلیں گے اور سو ہی جائیں گے بھوک کے مارے، صبح کو کھانا کام آجائے گا۔ رات تو گزر ہی جائے گی سوتے سوتے، صبح کھلانے کے لیے رکھا ہوا ہے، فرمایا کہ لے آؤ، وہ کھانا تیار کرو۔ کھانا اتنا کم کہ مہمان کے لیے بھی کافی نہیں۔ اب آداب مہمانی میں یہ بات داخل ہے کہ میزبان بھی ساتھ بیٹھے اور کھائے۔ بچے بھوک سے رو رو کر سو گئے اور مہمان کے سامنے کھانا رکھ کے خود بھی ساتھ بیٹھ گئے۔ اب مسئلہ یہ کہ خود کھائیں تو مہمان بھوکا رہ جائے گا۔ چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دیا۔ کمرے میں تاریکی ہوئی، اب منہ چلا رہے ہیں، ہاتھ چلا رہے ہیں اور یہ باور کرا رہے ہیں کہ ہم بھی کھانا کھا رہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود نہیں کھا رہے۔ مہمان نے کھانا کھایا۔ میاں بیوی خوش ہوگئے۔ فجر کی اذان ہوئی، حدیث کے الفاظ ہیں بخاری کے کہ «فَبَاتَا طَاوِيَينِ» ''دونوں میاں بیوی نے کروٹیں بدلتے بدلتے رات گزار دی حتی کہ فجر کی اذان ہوگئی۔'' نماز کے لیے مسجد میں گئے۔ مسجد کے دروازے پر اللہ کے پیغمبر کو کھڑا پایا۔ اللہ کے پیغمبر مسکرا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ رات جو تم نے عمل کیا مجھے اللہ نے بتا دیا۔ اور جب تک تم میاں بیوی خالی ہاتھ چلا رہے تھے اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مسکرا رہا تھا۔ تمھارے بارے میں قرآن آچکا ہے، اللہ کی وحی آچکی: ﴿يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر 9:59، صحیح البخاری: 3798) اس دور کی یہ مثالیں، ہر دور میں ایسے بندے موجود ہیں، جو رزقِ حلال پر اکتفا کرنے والے تھے۔ پھر کیسا معاشرہ بنا؟ کیسے عقیدے بنے؟ کیسے منہج بنے؟ کیسے عمل بنے؟ مثالی عمل بن گئے ان کے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا واقعہ

آخر میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا چھوٹا سا ایک واقعہ آپ کو سنا کر بات ختم کروں۔ یہ خلیفہ ہیں۔ عمر ثانی کہا جاتا ہے ان کو۔ ان کا ایک قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں صرف فرض نماز پڑھوں اور نفل نہ پڑھوں، رمضان کے روزے رکھوں اور کوئی نفلی روزہ نہ رکھوں، فرض حج کرلوں اور کوئی نفلی حج نہ کروں، زکاۃ دوں اور صدقے کا ایک پیسہ نہ دوں، لیکن میری روزی حلال کی ہو، مجھے کوئی پروا اور کوئی خوف نہیں ہے میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔ جہنم کا مجھے کوئی خوف نہیں۔ یہ ان کا قول ہے، اپنے گھر میں ایک دفعہ آئے جبکہ خلیفہ تھے، خلیفۃ المسلمین، اپنی بیٹیوں سے کوئی بات کرنا چاہی، دیکھا کہ بیٹیاں بات تو کر رہی ہیں لیکن منہ دوپٹے سے اس طرح ڈھانپا ہوا ہے۔ پریشان ہوئے کہ میری بیٹیاں اس طرح مجھ سے منہ کیوں چھپا

رہی ہیں۔ تو خادمہ رازدان ہوتی ہے۔ خادمہ کو بلایا اور کہا کہ یہ پہلی بار دیکھ رہا ہوں، میری بیٹیوں نے منہ ڈھانپ کر مجھ سے بات کی، کیوں؟ کہا کہ آپ کی بیٹیوں کو آج کھانا نہیں ملا۔ انھوں نے کچا پیاز کھایا ہے کھانے کی جگہ۔ تو پیاز کی بو آپ کو آسکتی تھی اور آپ سمجھ سکتے تھے کہ میری بیٹیوں نے آج کچا پیاز کھا کے گزارا کیا۔ تو ان کی کیفیت آپ پر منکشف ہوجاتی۔ آپ کو بھی افسوس ہوتا، بیٹیاں آپ کی ہیں، خلیفہ کی بیٹیاں ، اپنے باپ کو اس کا احساس نہیں ہونے دیا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے، واپس اپنی بیٹیوں کے پاس گئے اور کہا کہ تمھارا بابا اگر چاہے تو دنیا کی لذیذ ترین نعمتیں تمھارے دسترخوان پر چن دے۔ دنیا کے حاکمو! غور کرو! عوام الناس کے پیسوں پر پلنے والے حرام خورو! غور کرو! خلیفہ اور حکام کیسے ہوتے ہیں۔ تمھارا باپ اگر چاہے تو دنیا کے قیمتی کھانے، قیمتی نعمتیں دسترخوان پر چن دے لیکن میری بیٹیو! اس کے بدلے تمھارے باپ کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے گا، اس لیے اس کفاف پر اکتفا کرو، کفاف پر قناعت کرو اور درجاتِ عُلٰی کا انتظار کرو جو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن مومنوں کے لیے تیار کیے ہوئے ہیں، اللہ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے، وَأَقُولُ قَولِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



ماہ اپریل کے درست جوابات

① سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی تھی۔
② سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے کاتب تھے، اسی لیے آپ کو ''کاتب وحی'' کہا جاتا ہے۔ (مسند احمد: 335/1) (مزید مناقب کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ماہنامہ ضیائے حدیث، جون: 2012ء)
③ ماہِ رجب کی بدعات: پہلے جمعہ کی شب کو صلاۃ الرغائب پڑھنا، 22 رجب کو کونڈوں کی رسم، رجب کی ستائیسویں شب کو خصوصی عبادت کرنا، مساجد پر چراغاں اور محافل کا انعقاد کرنا۔ 27 رجب کو جلسے وجلوس اور آتش بازی کا اہتمام کرنا وغیرہ۔
④ پاکستان 28 مئی 1998ء کو ایٹمی طاقت بنا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

محمد بلال، محمد عادل ساقی (بہاولنگر) محمد عظیم چیمہ (ٹوبہ) اخت قاری عطاء اللہ (خانیوال) حاجی محمد رفیق (رحیم یار خاں) اخت عمر فاروق، طاہرہ عبدالمجید، محمد نذیر (فیصل آباد) اکرم صدیقی (کراچی) اروی عبداللطیف (لاہور) محمد ریاض حسین (قصور) سدرہ یونس، امیر حمزہ (ننکانہ)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① اللہ کی قسم! میں تمھارے معاملات کا خود فیصلہ کروں گا۔ ② آپ کی بیٹیوں کو آج کھانا نہیں ملا۔ انھوں نے کچا پیاز کھایا ہے کھانے کی جگہ۔ ③ خدا پرستی مقصود ہے تو اٹھیے اور بڑھ کر حق کو اختیار کر لیجیے۔ ④ یہ وہ دور تھا جب کفر کے سرغنوں کو مسلمانوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے چچا تھے، ان کا نبی ﷺ کے ساتھ دوسرا رشتہ کیا تھا؟
② نبی ﷺ کا نام ''محمد'' کس نے رکھا تھا؟
③ اسلام کی پہلی شہیدہ صحابیہ کا نام بتائیے۔
④ حدیث مکمل کریں! رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا: تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟

اللہ کے ذکر کے روحانی و جسمانی علاج



پروفیسر سید ضیاء الرحمٰن گیلانی

ہر انسان جس کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب یا نسل سے ہو، اپنے دماغ اور قلب وجسم کے سکون کا متلاشی نظر آتا ہے۔ یہ سائبان اسے کبھی مذہب کی صورت میں ملتا ہے یا پھر کسی نشہ آور شے کے بکثرت استعمال کرنے سے۔ اکثر لوگ جب کسی مسئلے میں پریشان نظر آتے ہیں تو وہ بکثرت سگریٹ نوشی کرتے ہیں یا پھر شراب کا استعمال کرتے ہیں۔ان کے نزدیک ایسی اشیاء کے استعمال کرنے سے ان کے قلب و اذہان کو سکون ملتا ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو بہر حال ضرورت تو اسے بھی ایک پناہ گاہ کی ہوتی ہے جہاں وہ سکون سے رہ سکے۔ یہ سہارا اسے اگر مذہب سے ملے تو وہ کسی مذہب کا پیروکار بن جاتا ہے۔پھر اس کا تعلق، ہندو مذہب، عیسائی، بدھ یا پھر مذہب اسلام سے ہو جاتا ہے۔

ہم بات مذہب اسلام کی کرتے ہیں کہ یہ اپنے پیروکاروں کے لیے کتنا سہارا فراہم کرسکتا ہے کہ اس کے ماننے والے امن وسکون کی زندگی بسر کرسکیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''خبردار!



سکون صرف اور صرف اللہ کے ذکر ہی میں ہے۔'' (الرعد 28:13)

ہمارے گھروں میں سکون نہیں، دفاتر میں سکون نہیں، کاروبار، دکان، فیکٹری میں سکون نہیں۔اولاد کی طرف سے والدین پریشان ہیں اور کہیں اولاد والدین کی طرف سے پریشان ہے۔ بیٹیوں کے رشتے نہیں ہوتے یا ہوکر ختم ہوجاتے ہیں، یہ بھی پریشانی ہے۔رشتہ دار، ہمسائے سبھی آپس میں الجھے الجھے نظر آتے ہیں۔ شریکہ برادری میں آ کر بڑے بڑے گھرانے اجڑ جاتے ہیں اور تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آپس میں خوشی وغمی کے مواقع پر بھی اکٹھ نہیں ہو پاتا۔ پھر اچانک ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں پر تعویذ گنڈے کروادیے ہیں۔ یہ سب کا سب جادو ٹونے ہی کا اثر ہے۔ سادہ ذہن رکھنے والے لوگ اب دم کرنے والے کو ڈھونڈتے ہیں۔ یہاں عقیدہ بھی ختم، ایمان بھی ختم اور رہا سہا روپیہ پیسہ بھی ختم۔ مگر سکون ندارد..... کیوں.....؟ روپے بھی لگائے جارہے ہیں، منتیں بھی مانگی جارہی ہیں، نذرونیاز کے سلاسل بھی جاری ہیں، پریشانی ہے کہ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ آیئے ہم اس کا حل ڈھونڈتے ہیں۔سب سے پہلے اپنا عقیدہ درست کریں۔ ایک اللہ کو ذات وصفات کے لحاظ سے یکتا وتنہا ماننا۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ بیماری، آزمائش، تکلیف اسی کی طرف سے ہے۔نفع و نقصان کا مالک بھی وہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا﴾ ''آپ کہہ دیجیے! کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے نہ کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے۔'' (المآئدۃ 76:5) ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ ''آپ فرمادیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ چاہے۔'' (الاعراف 188:7) ﴿وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ ''اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔'' (الانعام 17:6) ﴿وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ آپ کو فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔'' (یونس 106:10)

ان آیات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ مومن بندہ اپنے اللہ کے سوا کسی کو نفع ونقصان کا مالک نہیں مانتا۔ جب یہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے تو یقیناً وہ تقویٰ اختیار کرے گا۔ تقویٰ اختیار کرنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ اور پھر یہ تمام عوارض اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ ''تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔''

(البقرۃ 152:2)

مراد میرا ذکر کیا کرو تمھیں ہر لحہ عزتوں سے نوازتا رہوں گا۔ تم میرا ذکر کرتے رہا کرو تمھارے دلوں کو تسلی اور چین میں رکھنا میرا کام ہے۔ اللہ کے ذکر سے ہمارے گھروں میں خوشحالی آسکتی ہے۔ یاد رکھیں بدی اور نیکی یہ دونوں اپنے اثرات رکھتی ہیں۔ نیکی کا تعلق رحمٰن سے ہے اور بدی کا شیطان سے ہے۔ یہ دو طاقتیں اس دنیا میں موجود ہیں۔ اول الذکر ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے جبکہ ثانی الذکر پیدا شدہ ہے، اپنی پیدائش سے قیامت تک کا دورانیہ اس کا عرصہ حیات (Duration) ہے۔

رحمٰن کے احکامات پر لبیک کہنے والے سیدھی راہ پر ہیں۔ جبکہ شیطان کے ساتھ چلنے والے ٹیڑھے میڑھے راستوں کے راہی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔ سیدھے راستے پر چلنے والے امن وسکون پالیتے ہیں جبکہ دوسری طرف جانے والے ان نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ جائزہ لیتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے کیسے امن وسکون میسر آتا ہے۔ ذکر مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں، ان کے لیے اللہ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔'' (الأحزاب 35:33)

مغفرت سے بڑھ کر مومنین کے لیے اور کیا اطمینان وسکون ہوگا۔ اس کا وعدہ کر لیا گیا ہے۔ ذکر سے مراد نماز پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا، اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ مسنون دعائیں اور اذکار ہیں۔ سنت نبوی پر چلتے ہوئے ان طریقوں میں سے کوئی سا بھی طریقہ اختیار کیا جائے تو سکون قلب میسر ہوگا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر رات جب بستر پر آرام فرماتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ﴿قُلْ



اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾اور﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ (تینوں مکمل سورتیں) پڑھ کر ان پر پھونکتے اور پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے، پہلے سر، چہرے اور پھر اپنے جسم کے سامنے والے حصے پر ہاتھ پھیرتے ۔ یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔(صحیح البخاری: 5017)

اسی طرح قرآن بھی اللہ کا ذکر ہے۔ یہ روحانی بیماریوں کی شفا تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ جسمانی بیماریوں کی شفا بھی ہے ۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے کچھ اصحاب قبائل عرب میں سے ایک قبیلے کے پاس آئے تو انھوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی ۔ اسی دوران اس قبیلے کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا تو انھوں نے صحابہ کرام سے دریافت کیا: کیا تمھارے پاس دوا یا کوئی دم کرنے والا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی ۔ ہم دم نہیں کریں گے۔جب تک آپ ہمارے لیے کوئی معاوضہ مقرر نہیں کریں گے؟ پس انھوں نے صحابہ کرام کے لیے بکریوں کا ایک ریوڑ مقرر کیا تو پھر ایک صحابی نے سورۃ الفاتحہ پڑھی، پھونک مار کر دم کیا اور مریض شفایاب ہو گیا تو انھوں نے بکریاں دیں۔بعض صحابہ کرام نے کہا: ہم انھیں استعمال نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم نبی ﷺ سے پوچھ لیں۔ انھوں نے آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ مسکرا دیے اور پوچھا: ''تجھے کس نے بتایا کہ وہ (فاتحہ) دم ہے؟تم وہ بکریاں لے لو اور میرا حصہ بھی رکھو۔''

(صحیح البخاری: 2276)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر، یعنی قرآن روحانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے بشرطیکہ اسے رسول ﷺ کے احکامات کی روشنی میں استعمال کیا جائے۔

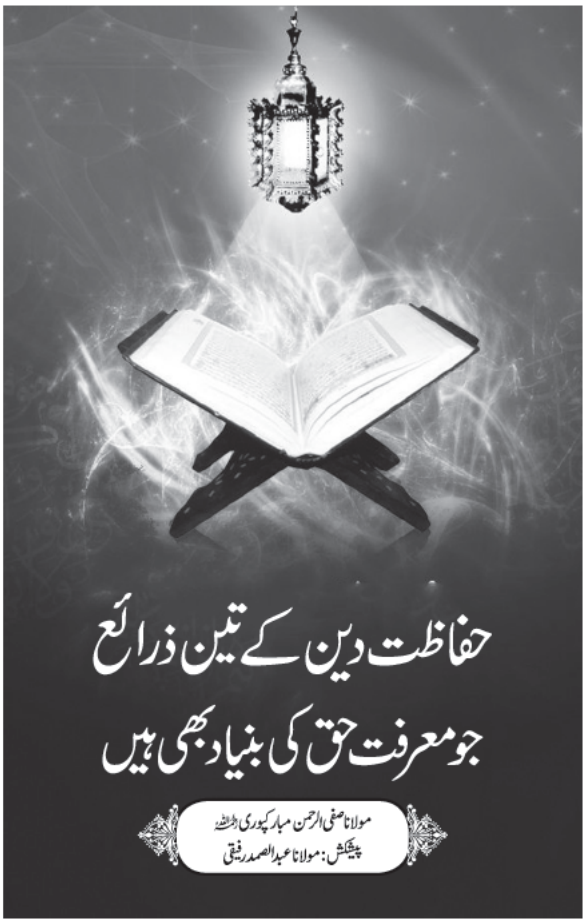
اسی طرح اپنے گرد حصار قائم کرنے سے ہر آفت سے بچا جا سکتا ہے۔ارشاد نبوی ہے: جو شخص صبح کی نماز کے بعد 3 مرتبہ یہ دعا پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لے شام تک اسے کوئی اچانک مصیبت نہیں پہنچے گی اور جو شام کو 3 مرتبہ پڑھ کر پھونک مارے اس کو صبح تک کوئی مصیبت نہیں آئے گی: «بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيم»(سنن أبي داود: 5088)

سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو آدمی کسی جگہ پڑاؤ ڈالے، پھر یہ کہے: «أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ» تو اسے اس جگہ سے روانہ ہونے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔''(سنن ابن ماجة: 3547)

دراصل ہم مسنون اذکار سے اتنا دور ہیں جیسے یہ کام کسی اہمیت کا حامل ہی نہیں ہے۔ اسی لیے ہمارے اندر روحانیت کا تقریباً فقدان ہے، حالانکہ صحابہ کرام ،تابعین ، تبع تابعین، آئمہ محدثین ،مفسرین کرام رحمہم اللہ کی زندگیاں ان اعمال سے بھری پڑی ہیں کہ وہ کوئی بھی لمحہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہا کرتے تھے ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم متبع سنت بن جائیں۔ اسلام کے سائبان میں آ جائیں۔ ہمارے گھر آج بھی امن و سکون اور سلامتی کا گہوارا بن سکتے ہیں۔ ہمارے بھی روزگار لگ سکتے ہیں،ٹوٹے ہوئے رشتے نئے سرے سے جڑ سکتے ہیں، کاروبار سے غائب ہوئی برکت پھر سے آ سکتی ہے، ہم بھی امیر المومنین کی طرح بے فکر درخت کے نیچے سو سکتے ہیں،ہم بھی آواز نکالیں تو جانور اپنے بچوں کو مونہوں میں لے کر ہمارے مسکن سے دور بھاگ جائیں گے، شیر جیسے جانور دم ہلا کر ہمیں بھی اپنے اوپر سوار کرائیں گے۔مگر شرط یہ ہے کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں۔ احکام نبوی کو سچے دل سے تسلیم کر لیں۔ اور اپنے اعمال کو ذکر سے مزین کریں یقیناً کامیابی و کامرانی ہمارے قدم چومنے کو تیار ہے۔ دیکھتے ہیں ذکر کی دولت سے کون کتنا حصہ وصول کرتا ہے۔

اپنے روحانی و جسمانی مسائل کے قرآن و سنت سے علاج کے لیے اس پتہ پر اپنے نام مع پتہ، مسائل ارسائل کریں ۔ یاد رہے لکھائی خوشخط اور صفحے کے ایک جانب ہو۔

پتہ: روحانی مرکز، ڈیرہ سادات
اڈا موترہ، ڈسکہ، سیالکوٹ
Ph:052-6228000



پچھلے انبیاء محدود علاقے اور مخصوص قوم میں ارشاد و ہدایت کا کام انجام دینے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ ان کا دورِ نبوت بھی محدود ہوا کرتا تھا۔ دنیا سے ان کے رخصت ہونے کے بعد ان کے ارشادات وفرمودات تو درکنار ان کے لائے ہوئے خدائی صحیفے بھی یا تو ناپید ہوجاتے تھے، یا ایسے ذرائع سے موجود تھے جن پر وثوق واعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ان صحیفوں میں بہت کچھ ردوبدل ہوجاتا تھا۔ اور جو کچھ اپنی اصلی اور صحیح شکل میں موجود رہتا تھا اس پر بھی تاریکی کا دبیز پردہ پڑ جاتا تھا۔ دنیاپرست علماء خود ساختہ عقائد اور احکام ان صحیفوں کی طرف منسوب کر کے اس قوت کے ساتھ رائج کر دیتے تھے کہ حقیقت کی تہ تک پہنچنا سخت مشکل ہوجاتا تھا۔ ان ''کارناموں'' کی بدولت ان علماء کی روزی روٹی، جاہ و آبرو اور عزت و وقار محفوظ ہوجاتا اور اہل باطل سے دوستانہ روابط برقرار واستوار رہتے۔ ان کا غلبہ اس قدر ہوتا کہ حقائق کی معرفت رکھنے والے اِکّا دُکّا حضرات جو باقی رہ جاتے تھے انھیں حجروں میں بھی اظہارِ حق کی تاب نہ ہوتی تھی۔ بلکہ وہ اپنے افعال و کردار تک میں حق کو برتتے ہوئے محتاط رہتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں عام لوگوں کے لیے حق تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ پھر کوئی پیغمبر یا نبی بھیج دیتا جو پوری قوت کے ساتھ حق کی آواز بلند کرتا۔ قبول حق کی استعداد رکھنے والے رفتہ رفتہ اس کے ساتھ ہوجاتے۔ خدا پرستوں کا ایک قافلہ بن جاتا۔ اور جویائے حق کے لیے حق تک رسائی ممکن ہوجاتی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کسی محدود علاقے، متعین قوم اور مخصوص زمانے کے لیے نہیں تھی۔ بلکہ آپ ساری دنیا کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اور آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک کے زمانے کو محیط ہے، اس لیے ضروری تھا کہ پچھلے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کے بعد آپ کا دین محرف اور ناپید نہ ہو۔ بلکہ اپنی اصلی اور صحیح شکل میں جیتا جاگتا ہوا قیامت تک موجود و محفوظ رہے۔ ورنہ قیامت تک کے لیے آپ کی رسالت بے معنی ہوکر رہ جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا بڑا جامع انتظام فرمایا ہے جسے ہم افہام و تفہیم کی سہولت کے لیے تین دائروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

① اس دین کے جو اصل سرچشمے اور اساسی مآخذ ہیں، یعنی قرآن مجید اور احادیث نبویہ، انھیں اللہ تعالیٰ نے ناپید ہونے سے بھی محفوظ رکھا اور تحریف و تبدیلی کا شکار ہونے سے بھی۔ اب سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے قرآن مجید جس شکل میں آیا تھا کسی شوشے کی کمی اور زیادتی کے بغیر ٹھیک اسی شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ شروع ہی سے قدرتی طور پر اس کا پھیلاؤ کچھ اس ڈھنگ سے ہوا کہ کسی بڑے سے بڑے بدطینت کے لیے کسی چھوٹی سے چھوٹی تحریف کا بھی یارا نہ ہوا۔ قریب قریب یہی حال احادیث نبوی ﷺ کا ہے کہ جو حدیثیں جس طرح مروی ہوکر کتب احادیث میں جمع ہوئیں



آج بارہ تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی وہ اسی شکل میں محفوظ اور متداول ہیں۔ کسی حدیث کے کسی ایک لفظ کو بھی تبدیل کرنے کی کوشش آج تک کامیاب نہیں ہوسکی ہے۔ زمانے کی ترقی کی بدولت بعض ایسے صحیفوں کے فوٹو منظر عام پر آگئے ہیں جو کتب احادیث کی باقاعدہ تدوین سے صدیوں پہلے لکھے گئے تھے۔ بلکہ نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ 6ھ سے واپس آکر مختلف بادشاہوں کے نام جو خطوط ارسال کیے تھے ان کے فوٹو بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ آپ یقیناً مسرت سے سنیں گے کہ کتب احادیث میں ان صحیفوں اور خطوط کے جو الفاظ مروی ہیں اور اصل صحیفے اور خطوط میں جو الفاظ موجود ہیں ان میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ احادیث کے صرف معانی، وحی الٰہی تھے۔ الفاظ، وحی الٰہی نہ تھے۔ بلکہ ہزارہا حدیثیں جن میں صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل اور فعل کو بیان کیا ہے ان کے الفاظ کے متعلق یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ رہے ہوں۔ اس لیے کسی حدیث کو بیان کرنے کے لیے روایت باللفظ کی شرط نہ تھی۔ مفہوم کو ٹھیک ٹھیک ادا کردینا کافی تھا۔ لیکن اس کے باوجود حدیث کے الفاظ کی حفاظت کا اہتمام اس بات کی علامت ہے کہ ذخیرۂ احادیث منقح اور محفوظ ہوکر امت کے ہاتھ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین کے ان دونوں سرچشموں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ امت کو اتنے بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کی توفیق بخشی کہ یہ دونوں سرچشمے ہر خاص و عام کی دسترس میں ہیں۔ جو شخص ان کو خود ان کی اصل زبان میں نہیں سمجھ سکتا اس کے لیے سمجھانے والوں کی بڑی تعداد اور تراجم کی وافر مقدار موجود ہے اور اس پر بھی اس کی پیاس نہ بجھے تو وہ چند برس کی محنت سے ان کو خود سمجھنے کی اہلیت و صلاحیت پیدا کرسکتا ہے۔

② قرآن مجید اور احادیث شریف کے تحفظ سے اصل دین کتابوں کے اندر تو محفوظ ہوگیا لیکن انسانی فطرت پر نظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ زندگی کے تمام گوشوں میں عملی طور پر دین کے جاری و ساری ہونے کے لیے صرف کتابی حفاظت کافی نہیں کیونکہ نہ تو ہر آدمی ان کا علم حاصل کرنے کی اہلیت اور فرصت رکھتا ہے۔ اور نہ ہر آدمی میں اتنی جرأت ہے کہ حق کو پہچان لینے کے بعد اسے اپنانے کے لیے پورے ماحول سے بغاوت کرسکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حفاظت دین کا دوسرا ذریعہ یہ مقرر کیا کہ گمراہی و ضلالت کی تاریکیاں خواہ جس قدر بھی پھیل جائیں حق پرستوں کا ایک گروہ بہرحال موجود رہے گا اور اسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہ سکے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ» ''میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو کھلم کھلا حق پر قائم رہے گا۔ ان کی مخالفت کرنے والے انھیں نقصان نہ پہنچاسکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ (قیامت) آجائے۔'' (صحيح البخاري:7311,3641) اسی مفہوم کو ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے اس طرح بیان کیا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ» ''اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔'' (جامع الترمذي : 2167) یعنی کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ پوری کی پوری امت گمراہ ہوجائے بلکہ گمراہی جتنی بھی ہمہ گیر ہو ایک طبقہ بہرحال حق پر قائم رہے گا۔

حق پرستوں کے ایک طبقے کی دائمی اور سرعام موجودگی قیامت تک دین کے بقا کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ جو یائے حق کو حق کی تلاش میں سرگردانی اور ناکامی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ نہ راہ حق پر تنہا چلنے کا اندیشہ ہو جس کے تصور سے اچھے اچھوں کے حوصلے چھوٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اہل حق کا قافلہ حق قبول کرنے والے کو اپنی آغوشِ رفاقت میں لینے کے لیے ہمہ وقت موجود ملے گا۔

③ حفاظت دین کا تیسرا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کیا گیا ہے کہ کتاب وسنت کا علم اور اہل حق کا طبقہ اپنے دائرے میں منجمد ہوکر نہ رہے۔ بلکہ یہ ہمیشہ دین کا داعی اور حق کا فدائی بن کر ابھرتا رہے۔ اور باطل کی ہر آواز کے بالمقابل سینہ سپر ہوکر حق کو اس کی ٹھیک ٹھیک شکل میں امت کے سامنے پیش کرتا رہے۔

یقیناً یہ بات بتائی گئی ہے کہ اس امت کے علماء اور جہلاء کا ایک زبردست گروہ ٹھیک یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلے گا۔ اور واقعتاً



ایسا ہی ہوا۔ کتاب وسنت کے معنی ومطالب میں معنوی تحریف کی گرم بازاری سے ان کی اصل صورت مسخ کر کے رکھ دی گئی۔ اور حق کی رعنائی وزیبائی سلب کر کے اس کے رخِ تاباں پر باطل کا مکروہ اور بدبودار غازہ ملا گیا۔ مگر یہود ونصاریٰ کے دنیا پرست علماء کی طرح اس امت کے دنیا پرست علماء کو اتنا غلبہ وتسلط اور اتنی کامیابی حاصل نہ ہوسکی کہ حق کی آواز بالکل گھٹ کر رہ جائے۔ اور حق پرست علماء بند حجروں میں بھی لب کشائی کی جرأت نہ کر سکیں۔ بلکہ یہ اللہ کا فضلِ خاص رہا کہ اس امت کے حق پرست علماء جرأتِ رندانہ کے ساتھ ببانگِ دہل حق کا اعلان کرتے رہے۔ اور دنیا پرستوں کی ایک ایک تحریف بے نقاب کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طبقے کی خصوصیات کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:

«يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهُ، يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ»

''اس علم (دین) کو ہر آنے والی جماعت کے بلند پایہ لوگ حاصل کریں گے۔ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف کا باطل پرستوں کے جھوٹے دعوے اور غلط نسبت کا اور جاہلوں کی تاویل کا صفایا کریں گے۔'' (مشکل الآثار للطحاوی: 373/8)

اسی طبقے کو آپ نے ایک بار غرباء کہا اور ان کی یہ خصوصیت بتلائی: «اَلَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ» ''میرے بعد لوگوں نے میرے جن طریقوں کو بگاڑ رکھا ہو گا اس کی اصلاح کریں گے۔'' (جامع الترمذی: 2630)

احیائے حق اور اصلاحِ امت کا یہ کام معتاد طریقے پر جاری رہے گا۔ لیکن جب امت کا جمود اس سے نہ ٹوٹ سکے گا۔ یا فساد اور بگاڑ سیلاب کی طرح بڑھے گا اور اصلاح کی معتاد کوشش اس کے آگے بند نہ باندھ سکے گی تو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ ایسے مضبوط اور راسخ عزم والے کسی ایک فرد یا چند افراد کو برپا کر دے گا جو فساد کے دھارے کا رخ موڑ کر رکھ دیں گے۔ اور باطل کے خلاف نہایت کامیاب اور اثر آفریں انقلاب برپا کر ڈالیں گے۔ اس طرح حق کے رخِ تاباں کی جلوہ طرازیاں ساری دنیا کے سامنے آجائیں گی۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ ''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو۔ اور جسے زندہ رہنا ہے وہ کھلی ہوئی دلیل کی بنیاد پر زندہ رہے۔'' (الأنفال 42:8) ظاہر ہے کہ حق کی اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی غلطی پر اڑا رہنا چاہتا ہے تو وہ عنداللہ کوئی معذرت نہیں پیش کر سکتا۔ حق کی راہ میں اس طرح کا انقلاب لانے والے مصلحین کو رسول اللہ ﷺ کی زبان میں مجدد کہا گیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: «اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا» ''اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایسا آدمی برپا کرے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔'' (سنن أبی داود: 4291)

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ آج بھی دین کو ٹھیک طور پر جاننے اور سمجھنے کے ذرائع اور ان پر عمل پیرا ہونے کی سہولیات حاصل ہیں۔ کتاب وسنت اپنی اصلی اور بے داغ شکل میں موجود ہیں۔ ان پر عمل پیرا گروہ بھی موجود ہے اور ان کی بے لوث ترجمانی بھی ہو رہی ہے۔ پس حق کی تلاش میں حیران وسرگرداں ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ خدا پرستی مقصود ہے تو اٹھیے اور بڑھ کر حق کو اختیار کر لیجیے۔ یہ دعوت اس لیے دینی پڑ رہی ہے کہ حقِ خالص کے پہلو بہ پہلو کے نام پر باطل کا بھی ایک بڑا حصہ رائج کر دیا گیا ہے اور صدیوں کے رواج نے بہت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا کر دی ہے کہ وہی اصل حق ہے اور اس کا التزام کیے بغیر دین کے تقاضے اور مطالبے پورے نہ ہوسکیں گے، حالانکہ دین جو کچھ ہے وہ اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر ﷺ کے گفتار وکردار میں ہے۔ واللہ ولی التوفیق.

''ہم نے آج
تراویح میں کیا پڑھا''

کے موضوع پر کتابچہ مفت حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

ڈاکٹر ممتاز عمر
0332-8220032
0334-3358133

T-473 کورنگی نمبر 2، کراچی 74900



والدین

کو راضی رکھنے کے

چند سنہرے اصول

عبدالمالک مجاہد

چیف ایڈیٹر

والدین کو راضی رکھنے کے چند اور اصول

میں نے اپنی عملی زندگی میں دیکھا ہے کہ چاہے والدین دنیا دار ہی ہوں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر چاہے وہ بعض اخلاقی کمزوریوں میں بھی مبتلا ہوں، تب بھی وہ اپنی اولاد کو نہایت اعلیٰ اخلاق کا حامل دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد قرآن پڑھے، نماز روزے کی پابند ہو، والدین چاہے خود کتنے ہی گئے گزرے ہوں، وہ کسی بھی قیمت پر اپنی اولاد کو چور، ڈاکو، یا قاتل کی شکل میں دیکھنا گوارا نہیں کرتے، اس لیے وہ امکان بھر پوری تگ ودو کرتے ہیں کہ ان کی اولاد تمام اخلاقی برائیوں سے پاک رہ کر اعلیٰ اخلاق وکردار کی حامل شخصیت بنے۔

والدین کو اپنی گفتگو سے یہ باور کروائیں کہ



آپ مجھے یقیناً سعادت مند، خوش خرم، ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ میری بھی دلی تمنا ہے کہ آپ مجھ سے راضی اور خوش رہیں۔ آپ کے یہ الفاظ ان کی تمام امیدوں کو بر لانے والے ثابت ہوں گے۔ یاد رکھیں کہ والدین کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ان سے خوش ہو۔ اگر آپ ان سے راضی ہیں اور وہ آپ سے خوش ہیں تو پھر سمجھ لیجیے کہ آپ کی قسمت کے کواڑ کھل گئے۔ اب دنیا جہاں کی کامیابیاں آپ کے مقدر میں ہیں۔

اگر یہ خودنمائی نہ ہو تو تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے بار بار اپنی والدہ ماجدہ کے پاس بیٹھ کر اس قسم کی گفتگو کی ہے۔ کیفیت یہ ہوتی کہ والدہ ماجدہ عموماً آرام کر رہی ہوتیں، میں ان کے پاس بیٹھ جاتا، اکثر ان کا ہاتھ تھام کر کہتا:

اچھا تو امی جان! آپ مجھ سے راضی ہیں ناں؟

جواب ملتا: ہاں! بیٹا راضی ہوں۔

واقعی آپ مجھ سے راضی ہیں؟

ہاں بیٹے! میں واقعی تم سے راضی ہوں۔

نہیں امی جان! آپ یوں ہی اوپری طور پر کہہ رہی ہیں۔

میں سچ کہہ رہی ہوں کہ تم سے دل وجان سے راضی ہوں۔

نہیں امی جان! مجھے اعتبار نہیں آرہا، آپ قسم کھائیں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔

اچھا میں قسم کھاتی ہوں کہ تم سے ہر طرح راضی اور خوش ہوں۔

اچھا اگر ایسی بات ہے تو پھر قیامت والے دن آپ اللہ کے حضور کوئی شکوہ تو نہیں کریں گی؟

نہیں بیٹا! میں تم سے دل وجان سے راضی ہوں، بھلا میں تمھارا شکوہ کیوں کروں گی۔

قارئین کرام! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی گفتگو کے بعد والدہ کے دل سے دعائیں نہ نکلتی ہوں گی؟ آپ یقین جانیے، وہ مجھے ڈھیروں دعائیں دے دیتی تھیں۔ مجھے اپنی شفقت و مرحمت کے چھینٹوں سے اس قدر نہلا دیتی تھیں کہ میں ان کی مامتا کے لمس سے نہال ہوجاتا تھا۔

محترم قارئین! ان گزارشات کے بعد کیا میں آپ سے یہ التجا نہ کروں کہ آپ بھی اپنے گرامی والدین سے ایسی ہی محبت بھری باتیں کریں اور اُن کی دعاؤں کے خزانے سے مالامال ہوجائیں۔ ذرا آپ ایسا کرکے تو دیکھیے، آپ کو عجیب سی لذت اور سرور ملے گا۔

اگر آپ کے دادا جان، دادی جان، نانا جان، نانی جان زندہ ہیں تو ان کی عزت وتوقیر میں کبھی کوئی فرق نہ آنے دیں۔ حتی الامکان ان کی خدمت کریں۔ ان کی ضرورت کے کام کریں۔ ان کے علاج معالجہ میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ان کو راضی رکھیں۔ ایسا کرنے سے آپ کے والدین آپ سے بے حد خوش ہوں گے آپ کو بے شمار دعائیں ملیں گی۔ یوں آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

اگر یہ بزرگ وفات پاچکے ہیں تو ان کا ذکر خیر بڑے اچھے انداز میں کیجیے۔ ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کیجیے۔ راقم کو یاد ہے کہ جب میں شروع شروع میں سعودی عرب آیا تو دادا جان، دادی جان اور نانا جان، نانی جان کی طرف سے حرمین الشریفین میں ایک ایک قرآن پاک کا نسخہ خرید کر رکھا۔ نیت یہ تھی کہ اس نیک کام کا اجر وثواب ان کو حاصل ہو، پھر میں نے اپنے ایک خط میں اپنے والد محترم کو اس کی اطلاع دی۔ اس کا جواب والد محترم کی طرف سے بے شمار دعاؤں کی صورت میں ملا۔ بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے وفات پاجانے والوں کے بارے میں جو فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے کہ ''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ مگر تین چیزیں ایسی ہیں جو مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں: ① صدقہ جاریہ۔ ② ایسا علم جس سے لوگ مرنے کے بعد بھی فائدہ اٹھائیں اور ③ نیک اولاد، جو اُس کے لیے دعا کرے۔''(صحیح مسلم :1631)

کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ والدین کی وفات کے بعد کوئی ایسا کام کریں جو ان کی نیکیوں میں اضافے کا سبب بنے، مثلاً: مسجد تعمیر کرنا، ضروری نہیں کہ آپ پوری مسجد تعمیر کرائیں، ہاں! اگر آپ صاحب استطاعت ہیں تو پوری مسجد خود بنوائیں ورنہ آپ اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ ڈال دیں۔ والدین کے نام سے کنواں کھدوا دیں یا ٹیوب ویل لگوا دیں، بعض یتیموں کی کفالت اپنے ذمہ



لے لیں۔ قرآن کریم کی طباعت اور اشاعت میں حصہ ڈالیں۔ ہسپتال میں والدین کے نام کا بلاک بنوادیں۔ قرآن وسنت کی تعلیم کے پابند مدارس کی تعمیر میں والدین کا حصہ ڈال دیں۔ بہت سے ایسے کام ہیں جن میں آپ حصہ ڈال کر اپنے والدین کی نیکیوں میں اضافے کا سبب بن سکتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے والدین کو ہر کام اور ہر بات میں ترجیح دیں، اپنے دوستوں اور بیوی بچوں پر اُنھی کو فوقیت دیں۔

اگر آپ کے والدین آپ کے پاس نہیں رہتے تو کبھی کبھار ان کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیں۔ ان سے التجا کریں کہ وہ آپ کے پاس آکر رہیں، آپ کا یہ کام ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی کا باعث ہوگا۔ اپنے بیٹے کے اس اہتمام سے وہ یقیناً بے حد خوش ہوں گے۔

جس طرح آپ کا جی چاہتا ہے کہ آپ بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز میں جائیں وہاں جاکر خریداری کریں، والدین کی بھی کم وبیش ایسی ہی خواہش ہوتی ہے، اس میں شک نہیں کہ بزرگوں میں دنیا کی رعنائیوں کی رغبت بتدریج کم ہوجاتی ہے۔ مگر فطری تقاضے بھی اپنی جگہ کام کرتے رہتے ہیں، انھیں بھی سیر کرائیے۔ کبھی کبھی شاپنگ کے لیے انھیں بڑی بڑی عمارتوں اور شاپنگ سنٹرز میں لے جایا کریں۔ اس سے وہ خوش ہوں گے۔

والدہ کے سامنے اپنے والد کی تعریف کیجیے، ان کے محاسن اور خوبیاں بیان کیجیے۔ اسی طرح والد کے سامنے والدہ کے حُسنِ سیرت وکردار کا تذکرہ کیجیے۔ ان کی اچھی باتوں کو نمایاں کرکے پیش کیجیے۔ اس طرح آپ کے والداور والدہ کی باہمی محبت میں اضافہ ہوگا۔ وہ آپ پر فخر کریں گے کہ ہمارے خوشگوار تعلقات کی استواری میں ہمارے بیٹے کا نمایاں ہاتھ ہے۔

والدین، خصوصاً والدہ صاحبہ کے گھریلو معاملات کے سلیقے کی تعریف کریں۔ عموماً ہمارے معاشرے میں گھر کا بجٹ عورتیں چلاتی ہیں، جس عمدہ انداز میں وہ اپنے خاوند کی کمائی خرچ کرکے پس انداز بھی کرتی ہیں، اگر ان کو اس حُسنِ تصرف پر داد دی جائے اور کھل کر اعتراف کیا جائے کہ گھر کے معاملات کو والدہ صاحبہ نے بڑے ہی اچھے انداز میں چلایا ہے تو آپ کی والدہ خود اعتمادی سے مالا مال ہو جائیں گی اور وہ گھر کا نظام مزید بہتر انداز میں چلائیں گی۔

اگر آپ بیٹی ہیں تو یہ بات معلوم اور معروف ہے کہ آپ اپنی والدہ کے بہت قریب ہیں۔ آپ والدہ کے راز کبھی فاش نہ ہونے دیں۔ ان کی نفسیات کو سمجھیں اور اس کے مطابق ان سے معاملہ کریں۔ ان سے آپ کا رویہ بالکل ایک دوست اور سہیلی جیسا ہونا چاہیے۔ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کو اعتماد میں لیں۔ ان سے مشورہ کریں۔ اگر آپ کی اور بھی بہنیں ہیں تو ان کے ساتھ محبت، پیار اور حسن معاملہ کا سلوک کریں۔ ان کو گاہے گاہے تحفے تحائف پیش کریں۔ آپ کے اس عمل سے آپ کی والدہ آپ سے بہت راضی اور خوش ہوں گی۔ ماں کی فطرت میں ہے کہ اگر کوئی اس کی بیٹیوں سے محبت کرتا ہے تو وہ بھی اسے محبت اور پیار کرے گی۔ آپ کا یہ عمل جہاں صلہ رحمی کے ضمن میں آئے گا وہاں والدہ کی رضا اور خوشی کا باعث بھی ہوگا۔

اپنی اولاد کی تربیت اس انداز میں کریں کہ وہ اپنے بزرگوں خصوصاً دادا جان، دادی جان، نانا جان، نانی جان کی عزت اور احترام کریں۔ اپنے بچوں سے کہیں کہ وہ ان کو مختلف مواقع پر تحفے پیش کریں۔ یہ بے شک بیش قیمت نہ ہوں اپنی حیثیت کے مطابق ہی پیش کریں، خواہ وہ ایک پھول ہی ہو۔ اپنی اولاد کی اولاد کے ہاتھوں سے ملنے والا تحفہ ان کے لیے ہفت اقلیم سے کم اہمیت کا حامل نہ ہوگا۔ ذرا آزما کر تو دیکھیں۔

والدین اگر ضعیف ہیں تو ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو مسجد، بازار، ہسپتال اور عزیزوں کے ہاں لے جائیں۔ اگر وہ اٹھنے لگیں تو ان کے سامنے اُن کی جوتیاں سیدھی کرکے رکھ دیں۔ یاد رکھیں کہ ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سب سے زیادہ آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ والدین کے حقوق کبھی ختم نہیں ہوتے۔ آپ ان کا جتنا بھی حق ادا کریں کم ہے۔

والدین کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ ان کا گھر صاف ستھرا ہو۔ آپ ان کے گھر کو بنانے سنوارنے میں ان کی مدد کریں، اس کی مرمت کراتے رہیں۔ کوئی توڑ پھوڑ کا مرمت طلب کام ہو، رنگ روغن کرنا ہو، صحن میں پھول



بوٹے لگانے ہوں، اس سلسلے میں آپ اپنے والدین کی مدد کریں۔ ان کو مشورے دیں۔ خود عملی طور پر شریک ہوں۔ والدین کو یہ احساس دلائیں کہ ان کے گھر کی تعمیر اور دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔

والدین کے سونے کے کمرے کو بھی آپ اپنی توجہ کا مرکز بنائیں۔ اُنھیں سارا دن وہاں گزارنا ہوتا ہے۔ اس کمرے کو خوبصورت ہونا چاہیے۔ انھیں اپنی دیگر اولاد سے بھی اسی کمرے میں ملنا ہے۔ مہمانوں کو بھی یہیں آنا ہے تو اس کمرے کی ضروریات کو دیکھیں۔ کیا اس کے پردے مناسب ہیں؟ مختلف اوقات میں بیڈشیٹ تبدیل کریں۔ اگر وہاں کرسیاں یا صوفہ ہے تو جائزہ لیں کہ وہ زیادہ پرانا تو نہیں ہوگیا؟ یہ بات ذہن میں رہے کہ بڑے بوڑھوں کے پاس ان کے ملاقاتیوں کو انھی کے کمروں میں آنا ہے تو کیا والدین کا کمرہ ان کے شایانِ شان ہے؟

والدین کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے وہ خوش بھی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر بھی عمل درآمد ہوگا۔

بعض معاشروں میں والدین کے نام پر اولاد کے نام رکھنے کا رواج ہے اور والدین اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان کے نام کو زندہ رکھا جائے۔ خصوصاً عربوں میں یہ بات عام ہے۔ خود راقم الحروف نے اپنے بعض عزیزوں کے نام اپنے بزرگوں کے نام پر رکھوائے۔ یہ درست ہے کہ وہ وفات پاچکے ہیں مگر اس طرح ان کے نام زندہ رہتے ہیں اور ان کے محاسن کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔

فرض کیجیے آپ کہیں جارہے ہیں، گاڑی میں سوار ہونا ہے تو پیش قدمی کرکے پہلے والدین کو سوار کریں، ان کا بازو تھام کر انھیں اگلی سیٹ پر بٹھائیں۔ اس طرح ان میں اعتماد پیدا ہوگا کہ میرا بیٹا میری عزت کرتا ہے۔ اسی طرح اترتے وقت بھی ان کو پہلے اترنے دیں، ہاں اگر ان کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے تو آپ پہلے اتر کر ان کی مدد کریں۔ بظاہر یہ بات معمولی نظر آتی ہے مگر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

یہ قرآنی تعلیمات ہیں کہ ہم اپنے والدین کے لیے دعائیں کریں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا اس سے زیادہ اور کون سا خوبصورت کام ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے کہہ رہے ہوں: ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ ''اے ہمارے رب! ان پر اس طرح رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں میرے اوپر رحم کیا۔'' اگر یہ دعائیں قبولیت دعا کے اوقات میں کی جائیں تو ان کی افادیت دوچند ہوجاتی ہے۔

والدین کے پاس بیٹھنے سے پہلے ان سے گفتگو کے لیے وقت مقرر کرلیں۔

اس دوران اپنی پوری توجہ ان کی طرف مبذول رکھیں۔ اخبارات، ٹی وی اور موبائل وغیرہ بند کردیں۔ پورے انہماک سے ان کی باتیں سنیں اور اپنی باتیں سنائیں۔

اپنے والدین پر، ان کی شخصیت پر فخر کریں، جہاں بیٹھیں والدین کا تذکرہ اس انداز میں کریں کہ وہی آپ کے رول ماڈل ہیں اور آپ ان کی ہر معاملے میں پیروی کررہے ہیں۔

والدین کی دعائیں اپنی اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہیں۔ آپ ان سے دعا کی درخواست کرتے رہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ والدین اپنی اولاد کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ مگر مختلف مواقع پر ان سے دعا کے لیے کہنا بڑی مستحسن بات ہے۔ راقم الحروف کی زندگی میں والدین کی خصوصاً والدہ صاحبہ کی دعاؤں کا بڑا دخل ہے۔ جب وہ پاکستان میں ہوتیں تو میں عموماً فجر کی نماز کے بعد ان کو فون کرتا۔ کوئی اہم میٹنگ ہوتی تو اُن سے عرض کرتا کہ آج میری میٹنگ ہے، امی جان! دعا فرمائیں وہ عموماً مصلّٰی پر بیٹھی ہوتی تھیں۔ معاً فرماتی تھیں: بس میں ابھی دو نفل پڑھ کر تمھارے لیے دعا کرتی ہوں، ان شاء اللہ تمھیں کامیابی نصیب ہوگی۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوتا کہ میں کامیاب و کامران واپس آتا۔ والدین سے دعا کرانے میں کتنی لذت، ٹھنڈک اور تب و تاب ملتی ہے۔ نوکری پر، کاروبار پر جانے سے پہلے آپ والدین کے پاس آتے ہیں، ان سے اجازت لیتے ہیں کہ میں جارہا ہوں۔ دعا فرمائیں اور پھر آپ ڈھیروں دعاؤں کو سمیٹتے ہوئے گھر سے باہر نکلتے ہیں۔ اپنے دل سے پوچھیے، کیا والدین کی دعائیں آپ کی کامیابی کی ضمانت نہیں ہیں؟

ہوا چلی تو اُڑنے لگے خاکو پر



خدیجہ ادریس فاروقی

دنیا کے کسی بھی شعبے میں نظر دوڑائیں، ہر شعبے میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ کہیں مخلص، کہیں مفلس، کہیں شہرت، کہیں دولت کے پجاری، یہ کہنا آسان ہوگا کہ ہمیں پوری دنیا دیکھنے کا اتفاق تو نہیں ہوسکتا البتہ کسی ایک شعبے میں جا کر ہم مختلف لوگوں کے چہرے پڑھیں اور خیالات جانیں تو ہمیں بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ اور ہم یہ کہنے میں ہرگز ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے کہ

''ہم نے دنیا دیکھی ہے'' یا ''ہمیں دنیا کا اندازہ ہے۔''

اپنی بات آپ تک پہنچانے سے پہلے اس سے منسلک بات کہنا ضروری سمجھوں گی کہ میں نے اپنی دنیا میں جو بات زیادہ نوٹ کی اور عمومی سطح پر جائزہ لیا وہ ہے Compitition یعنی مقابلہ بازی یا انا پرستی۔

تقریباً ہر شعبہ دوسرے سے بڑھنے کی کوشش میں مگن ہے کہ میرا نام سب سے بلند ہو، میرا کام سب سے اعلیٰ ہو اور میرا منصب سب سے جدا ہو۔ اس کا تعلق گھر سے بھی ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ بھی۔

گھر میں اس طرح کہ ہر فرد اس خواہش کا حامل ہے کہ میرا لباس دوسرے سے نفیس، میری خوراک دوسرے سے خوش ذائقہ اور میری رہائش دوسرے سے لاثانی ہو۔ گھر کے علاوہ اس طرح کہ ایک کپڑے والے کی دکان ہو یا ایک ریسٹورنٹ ان کا اول مقصد پیسہ کمانا تو ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ مقابلہ بازی کو بھی لازم وملزوم سمجھتا ہے۔ اس کو حسد کا نام دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا درجہ کافی آگے ہے، حالانکہ مقولہ مشہور ہے: ''کر بھلا سو ہو بھلا'' یعنی کسی سے بھلائی کرنا دراصل اپنے ساتھ بھلائی کرنا ہے۔

بہرحال اگر یہ مقابلہ بازی علم، دین، آخرت، خلوص، نیکی، تقویٰ میں ہو تو قرآن کے چند الفاظ ہی کافی ہیں۔ جو اپنے اندر بہت وسعت سموئے ہوئے ہیں: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ یعنی ہم مقصد سے ہٹ گئے ہیں، دین میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم ہے، اس میں ہم پیچھے سے پیچھے اور دنیا داری میں ہم ایک دوسرے سے بہت آگے بڑھنے کے خواہش مند رہ گئے ہیں۔

آج دوران تلاوت میرے ذہن میں ایک بات آئی، واقعی قرآن سیکھنے اور سکھانے کا مرکز ومحور ہے، اس کا بخوبی مطالعہ کیا جائے تو بہت بہترین نتائج سامنے آتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ جب یہ آیت نظروں سے گزری تو ایک سرد آہ بھری اور کچھ دیر کے لیے سوچا، بہت سی باتیں میرے ذہن میں سما گئیں، اس شعر نے میرے ذہن کو تقویت دی۔ شاعر نے کیا خوب کہا:

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرآنِ لٰكِنْ.....
تُقاصِرُ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

یعنی قرآن پاک میں تمام علوم پائے جاتے ہیں، لیکن عام لوگوں کی وہاں رسائی نہیں ہے۔

قلم ذہن اور سوچ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کی حرکت و برکت اغیار کے لیے تلوار جیسا کام کرتی ہے۔ اور ہر بھولے بھٹکے کو راہ دکھلاتی ہے۔ انجانے کو منزلِ راہ اور اجنبی کو نیا راستہ دکھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ میں گاہے بگاہے اپنے آپ کا جائزہ لیتی ہوں اور خود قرآن کے ذریعے اپنی اصلاح کرتی ہوں تاکہ میں ایک کامل مسلمان لڑکی بن سکوں۔ اور واقعی اب میں اس میں بہت آگے جانا چاہتی ہوں اور اسی کو اپنا مقصدِ اول اور انا First Aim سمجھتی ہوں۔

میں نے سوچا بذریعہ قلم محترم قارئین کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلوں، ہوسکتا ہے اس نیک نیت سے کسی کی زندگی میں کچھ نہ کچھ گائیڈنس ہوجائے۔

بات تو یہ ہے کہ ہمیں ہمیشہ دنیا میں آگے بڑھنے کی بجائے دین میں آگے بڑھنے کا خواہش مند رہنا چاہیے۔ دل میں ہمیشہ یہ تمنا



ابھرتی رہے کہ جنت میں میرا ٹھکانہ اونچا ہو، میری قبر سب سے فراخ ہو، جنت میں مَیں نبی ﷺ کے ساتھ رہوں وغیرہ۔

اس کے علاوہ دنیا میں بھی درج ذیل امور میں سبقت لے جانا اپنا مشن سمجھتی ہوں اور آپ کو پیغام دیتی ہوں جیسے: ''سلام میں سبقت، عفو درگزر میں سبقت، تحائف دینے میں سبقت، روابط میں سبقت، عیادت، معاشرت میں سبقت، حسنِ معاملات میں سبقت، عدل، احسان، ایثار میں سبقت، حیا، خدمتِ خلق، مروت، انکسار، سادگی، ہمدردی، بے غرضی، ایفائے عہد، خشیت و انابت میں سبقت لے جانا ایک مومن اور مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکی ہوں کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی چیز کو نسبتاً ترجیح دیتا ہے۔ لیکن ایسا ہی نہیں بلکہ کچھ ایسے بھی بانصیب اور خوش بخت ہوتے ہیں جو اس افضل وصف کے حامل ہیں جن کی صفت خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمائی: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ اب اس میں بھی فرق ہے، اور یہ فرق نیت کا فرق ہے۔ بعض لوگ ارادتاً مقابلہ بازی کے لیے ایسا کرتے ہیں اور بعض لوگوں سے کچھ ایسے کام درپیش ہو جاتے ہیں جبکہ ان کی نیت مقابلہ بازی سے مبرہ ہوتی ہے لیکن تیسرا فریق رکن حسنِ ظن میں کمی کی بنا پر ان کو مقابلہ بازی کا لیبل دے کر کچھ لمحے کے لیے اپنے آپ کو ٹھنڈ پہنچانا چاہتا ہے۔

اکثر ان الفاظ کو سہارا بنایا جاتا ہے کہ فلاں نے دیکھا دیکھی کام کیا یا بعض دفعہ سخت الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کو میرا کام برداشت نہیں تھا یا اس کے اندر سے حسد کی آگ پتہ نہیں کب ختم ہوگی وغیرہ۔ یہ ظرف کی کمی اور حسنِ ظن سے محرومی کا دوسرا نام ہے جبکہ اس طرح کے دوسرے اوصافِ فاسدہ ایک بندۂ مومن میں اس کے ایمان کو عیب دار کرتے ہیں جس سے غیر مومن متاثر نہیں ہوتا، ایمان اور اسلام کو پھیلانے میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہے۔

اس طرح کی چھوٹی چھوٹی خامیوں سے انسانیت حیوانیت کے دائرے میں شامل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جس طرح کیڑا لکڑی کو کھاتا ہے اسی طرح شخصیت متاثر ہو جاتی ہے۔

بہر کیف میں طویل اور پیچیدہ باتوں سے احتراز کرتے ہوئے کہوں گی کہ مقابلہ کرنا جائز ہے اُس حد تک جس کو شریعت نے جائز قرار دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس پرفتن دور میں ہم جاہ ومنصب کے لیے اپنا گھر، کاروبار اور چہرے کو سنوارنے میں کمی نہیں کرتے اور کردار سازی اور ذہن سازی کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ سب باتیں ماضی اور حال سے متعلق ہیں۔ اگر ہم اپنے مستقبل کو تابناک اور فرسٹ ورلڈ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں جاننا ضروری ہے کہ ہماری بنیادی شناخت کیا ہے؟

جس کی بدولت انسان صحیح علم و آگہی، تہذیب و شائستگی سے آشنا ہوتا ہے، ترقی کے زینے طے کرتا ہوا آفاق کی بلندیوں تک پہنچتا ہے اور مستقبل کو علم وفکر کی قندیلوں سے جہالت کی بستیوں کو سجا کر روشن کرتا ہے تاکہ پوری دنیا میں علم و عرفان کے ڈنکے بجائے جائیں اور ﴿لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ کے تحت جہان سے جہالت وضلالت کے تاریک و دبیز پردے چاک کر دیے جائیں۔ مستقبل میں ہماری یہ نئی اُمنگ شیطانی سہارے کہ اچھے عمل کرنے میں کافی عمر پڑی ہے کو لاجواب کر دے۔

اور یہ بھی بات یاد رکھیں! دن کا چمکدار سورج ہو یا چودھویں رات کا چاند جس دن نمودار ہوتا ہے اُسی دن استفادہ ہوتا ہے۔ جبکہ کردار سازی کی روشنی اور چمک حال میں کچھ مدھم لیکن مستقبل میں کئی روشنیوں کا پیغام دیتی ہے۔

اختتام پر یہ بات اختصار کے طور پر ضرور کہوں گی کہ واقعی قرآن اُس جل شانہٗ کی بے مثل کتاب ہے جس کو میں نے اپنی زندگی میں گاہے بگاہے پڑھا لیکن شادی کے بعد وہ فرصت نہ ملی جو اس کا حق تھا۔

ہوئی تاخیر تو کوئی باعثِ تاخیر بھی تھا

نہ پہلے جیسا والدین کا تقارب ملا نہ کوئی اصلاح جس کی وجہ سے کمی آتی رہی۔ چند ماہ قبل میری محترمہ خالہ جان (مسز عبدالمالک مجاہد، مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام)، جو سعودی عرب میں رہائش پذیر ہیں، نے بذریعہ فون بڑے پیار اور مخلصانہ انداز میں کہا: ''اگر چاہتی ہو کہ رب سے سرگوشی کرو تو کثرت سے قرآن پڑھا کرو۔ ایک دن تم ضرور کہو گی کہ مجھے بہت فائدہ ہوا۔''

واقعی اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے بہت فائدہ ہوا ہے، آج میں اپنی خالہ ہی کو نہیں بلکہ دنیا کو بتانا چاہتی ہوں، واقعی قرآن زنگ آلود دِلوں کو نرم اور صاف کرتا ہے۔ قرآن کی روشنی سے دلوں پر چھائے سیاہ بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اس روشنی کی بدولت انسان ترقی کی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔



حافظ عبدالوحید سوہدروی

دو امریکی قیدیوں سے انٹرویو

محترم قارئین! گزشتہ ماہ آپ کو جیل کے غیر مسلم طالب علم قیدیوں کو دیے جانے والے اپنے انٹرویوز کے متعلق کچھ معلومات فراہم کی تھیں۔ آج آپ کو دو مسلمان قیدیوں سے لیے گئے انٹرویوز سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں مسلمان جیل کے اندر قائم شدہ بائبل کالج کے طالب علم ہیں۔ ان میں سے ایک مسلمان قیدیوں کا امام ہے۔ رنگ کالا، عمر 42 سال، جیل میں 1996ء کو آیا اور جیل کے اندر ہی بارہ سال بعد 2008ء میں بفضلہٖ تعالیٰ مسلمان ہوا۔ کل سزا چالیس سال کی ہے جو کہ سزائے موت کا بدل ہوتی ہے۔ یہ سزا 2036ء میں ختم ہوگی۔ جیل کے اندر اچھا رویہ دکھانے پر عموماً سزا کے اختتام سے قبل ہی قیدی کو پیرول پر رہا کر دیا جاتا ہے۔



(پیرول کا مطلب ہے کہ قیدی کو اس اقرار پر رہا کرنا کہ وہ مخصوص علاقے ہی میں رہے گا۔) یہاں پیرول پر رہا ہونے والے قیدیوں کے ایک پاؤں میں الیکٹرانک کڑا باندھ دیا جاتا ہے جس کا ریڈیائی رابطہ پولیس کے مرکز سے ہوتا ہے۔ اس طرح پیرول پر رہا ہونے والے کی ہر آن نقل وحرکت کی نگرانی کی جاتی ہے۔ مخصوص ایریا سے باہر جانے کی صورت میں کڑے سے تنبیہاً الارم بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ مزید برآں ایسے قیدیوں کو ہفتہ وار یا ماہانہ پولیس اسٹیشن پر حاضر ہو کر رپورٹ بھی کرنا ہوتی ہے۔ جھوٹے مقدمات میں ملوث مسلم قیدیوں کو بھی رہائی پر اس طرح کے رِنگ پہنائے جاتے ہیں۔ جس کا پتہ یوں چلا کہ جب رہائی پانے والے مسلم کو کسی نے کھانے پر دعوت دی تو اس نے ایریا سے باہر ہونے کی وجہ سے معذرت کی اور دوسری جگہ کی دعوت میں حاضری تو دی مگر شام سے پہلے پہلے اپنے گھر کو لوٹ جانا ضروری بتایا کہ رات کے مخصوص گھنٹوں میں اپنے گھر ہی میں رہنا پڑتا ہے۔

پہلا انٹرویو

میں نے قیدی امام سے سوال کیا کہ تم مسلمان کیسے ہوئے؟ کہنے لگا: اگرچہ میں کرسچین تھا مگر مذہب کا کچھ پتہ نہ تھا۔ جیل میں میرا ایک روم میٹ مسلمان تھا۔ اس کا رویہ دوسرے قیدیوں سے مختلف ہونے پر مجھے تعجب ہوتا۔ اسلام کے بارے میں مجھے وہ بتاتا بھی رہتا۔ ابتدا میں تو میں نے کوئی دلچسپی نہ لی، پھر 2008ء میں اس کی باتوں پر توجہ دینا شروع کی۔ چھ ماہ تک مسلمانوں کی تعلیم کلاس میں بھی جاتا رہا، یہاں تک کہ مجھ پر اسلام کی سچائی واضح ہوگئی۔

میں نے سوال کیا کہ اسلام میں داخل ہونے میں سب سے زیادہ تمھیں کس چیز نے متاثر کیا؟ اس کا جواب تھا کہ توحید نے۔ قارئین کو معلوم ہوگا کہ یہود کے علی الرغم عیسائیت میں توحید کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ ان کا عقیدہ تثلیث کے چکر میں گھومتا رہتا ہے (خدا، عیسیٰ علیہ السلام اور جبریل علیہ السلام۔) میں نے پوچھا: تمھارے اسلام قبول کرنے پر ماں باپ اور دوستوں کا ردعمل کیسا تھا؟ کہنے لگا: ماں تو ناراض ہوگئی کیونکہ وہ چرچ جاتی ہے جبکہ باپ نے کہا: بیٹا اپنے لیے جو پسند کرے ٹھیک ہے۔ پھر ماں بھی چند ماہ بعد راضی ہوگئی۔ البتہ دوستوں کی طرف سے کسی ردعمل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سوال کیا کہ کالج کے ساتھیوں سے بحث ومباحثہ ہوتا ہے؟ کہنے لگا کہ صرف افہام وتفہیم کے انداز میں اسلام پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ قارئین کو تعجب ہوگا کہ بائبل کالج کے طلباء قیدیوں کو دیے گئے میرے انٹرویوز کے دوران یہ امام میرے ساتھ ہوتا ہے۔ جب میں قرآن پاک کی کسی آیت کا حوالہ دیتا ہوں تو یہ فوراً میری رہنمائی کرتے ہوئے بتادیتا ہے کہ یہ فلاں سورت کی فلاں نمبر آیت ہے۔

سبحان اللہ! ہم حافظ لوگ بھی اس طرح حوالہ دینے سے قاصر ہیں جس طرح جیل کے بعض مسلمان قیدی دیتے ہیں۔

دوسرا انٹرویو

یہ 38 سالہ یوسف ایک پاکستانی باپ کا بیٹا ہے جسے کئی سالوں تک اپنے باپ کا پتہ نہ چل سکا۔ ماں کا کوئی مذہب نہیں۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد باپ چھوڑ کر غائب ہوگیا۔ یوسف 1993ء میں جیل آیا۔ جب اس کی عمر 19 سال تھی۔ کل 35 سال جیل میں رہنا ہے۔ اسلام کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ میں جیل میں آنے کے دوسال بعد 1995ء میں مسلمان ہوا تھا۔ (قارئین ملاحظہ کریں کہ ایک مسلمان کے بیٹے کا کہنا کہ میں فلاں سال میں مسلمان ہوا تھا قابل صد افسوس ہے کہ نہیں؟ ان بچوں کے باپ بننے والے ایسے مسلمان اللہ کو کیا جواب دیں گے۔) اس نے بتایا کہ میرا ایک روم میٹ مسلمان تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور وہ روزے رکھتا۔ اس نے مجھے پڑھنے کے لیے مترجم قرآن پاک دیا۔ پھر میں ذہن میں اٹھنے والے سوالات ایک کرسچین ساتھی سے بھی کرتا اور مسلمان سے بھی۔ عیسائی ساتھی کے جوابات سے مجھے تسلی نہ ہوتی۔ جبکہ مسلم ساتھی کے جوابات مجھے صحیح معلوم ہوتے، چنانچہ چار ماہ کے مطالعہ کے بعد میں مسلمان ہوگیا۔ اس نے بتایا کہ 2003ء میں مجھے پہلی بار اپنے باپ کا خط جیل میں ملا تو اپنی مسلمان فیملی کا پتہ چلا۔ باپ نے پاکستان میں شادی کی ہے۔ میرے دو بھائی اور ایک بہن ہے۔ ایک بھائی



حافظ قرآن بھی ہے۔

تجزیہ

قارئین کرام! مندرجہ بالا دونوں انٹرویوز سے مستنبط نکات کا ذرہ تجزیہ کیجیے۔

① امریکہ اور یورپی ممالک میں جو بھی مسلمان ہو رہا ہے وہ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی آزاد مرضی سے مسلمان ہوتا ہے۔ جس سے تلوار کے زور سے اسلام پھیلنے کی کھلم کھلا نفی ہوتی ہے۔

② جیل میں آ کر مسلمان ہونے والوں کے لیے جیل میں آنا باعث رحمت ہوتا ہے۔ یہی تفسیر ہے اس آیت کی ﴿عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''عین ممکن ہے کہ تم کسی امر کو برا جانو مگر وہ تمھارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو اچھا سمجھو مگر وہ تمھارے حق میں برا ہو۔ لہٰذا اللہ کو معلوم ہے تمھیں معلوم نہیں۔'' (البقرۃ 216:2) اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کو ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے خوش رہنا چاہیے۔ کئی دفعہ برے وقت میں بھی کئی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔

③ جیلوں کی رونق بڑھانے میں امریکہ کی نوجوان نسل پیش پیش ہے جو اپنے مذہب سے تقریباً بے بہرہ ہے۔

④ سزائے موت کو عمر قید میں بدل کر مغربی ممالک نے کھویا ہی ہے پایا کچھ نہیں۔ ایسے لوگوں کے اخراجات کا بوجھ ان کی معیشت پر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اللہ کے احکام پر عمل پیرا نہ ہونے کی سزا ایسے ملتی ہے کہ سمجھ بھی نہیں آتی۔ یہ اصول کافروں پر ہی نہیں ہم مسلمانوں پر بھی لاگو ہوتا ہے جو ہر معاملے میں کفار کی تقلید کو روشن خیالی سمجھے بیٹھے ہیں۔

⑤ اسلام پھیلانے کا سب سے مؤثر ذریعہ مسلمان کا اپنا رویہ اور لوگوں کو نظر آنے والے اعمال ہیں جسے دیکھ کر غیر مسلم متاثر ہوتے ہیں۔ ہماری تاریخ بھی اس پر شاہد ہے۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا جیسے دور دراز علاقوں میں کس مسلمان جنرل نے چڑھائی کی تھی؟ مسلمان کے اچھے رویے سے ایک واقعہ یاد آ گیا جو ہماری مسجد کے امام صاحب نے چند روز قبل ہی دوران درس بتایا۔ ایک مسلمان کو ایک وکیل کی طرف سے فون آیا کہ اپنے کوائف سے عدالت کو آگاہ کرو۔ کیونکہ ایک مرنے والی خاتون نے اپنی جائیداد میں سے پانچ لاکھ ڈالر تمھیں دینے کی وصیت کی ہے۔ وہ ہکا بکا رہ گیا کہ وہ کون ہو سکتی ہے جس نے اتنی بڑی رقم سے اسے نوازا۔ معلوم ہوا کہ یہ اس کی پڑوسن عیسائی خاتون تھی جو بوڑھی تھی اور یہ مسلمان فیملی بغیر کسی لالچ کے صرف اسلامی برتاؤ پیش کرتے ہوئے اس کی خدمت کیا کرتی۔ بوقت ضرورت اسے بازار میں خریداری کے لیے یا ڈاکٹر کے پاس اپنی کار میں لے جایا کرتے، چنانچہ اس مسلمان فیملی کو چرچ میں بھی بلا کر فوت ہونے والی کے ساتھ حسن سلوک پر داد تحسین پیش کیا گیا۔ اور گن گن کر نیکیوں کو بیان کیا گیا جو مرنے والی خاتون بذریعہ تحریر چھوڑ گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ خالص اللہ کے لیے کوئی کام کیا جائے تو اس دنیا میں بھی اس کی جزا مل سکتی ہے۔ جس طرح اللہ پاک نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہمیں بتایا ہے: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ''ہم نے اسے دنیا میں بھی اجر سے نوازا اور آخرت میں تو بلاشبہ وہ صالحین میں سے ہے ہی۔'' (العنکبوت 27:29)

⑥ مسلم ممالک سے آ کر یہاں شادی کرنے والے بعض لوگ اسلام کے حوالے سے اپنے اوپر پڑنے والی خانگی ذمہ داریاں بھول جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف وہ اسلام کو بدنام کرتے ہیں اپنی عاقبت بھی خراب کر بیٹھتے ہیں۔ کئی لوگ یہاں صرف گرین کارڈ حاصل کرنے کے لیے شادی کرتے ہیں جو کہ شرعی لحاظ سے متعہ ہی کے مترادف ہے۔ مگر اب یہ سودا بھی امریکہ میں ناکام ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو غیر ملکیوں کی جائز شادی کو بھی امریکی محکمے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور گرین کارڈ کے اجراء میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ تین چار سال تک شادی برقرار رہنے کے بعد ہی گرین کارڈ جاری کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں بسنے والے مسلمانوں کو اپنے اچھے رویے کے ذریعے اسلام پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



پیاری والدہ محترمہ کی یاد میں

طارق جاوید عارفی
ریسرچ فیلو دارالسلام

اتوار 3 جون 2012ء کی صبح کا بظاہر ایک معمولی سا ٹریفک حادثہ مجھے نعمت کبریٰ ''ماں'' سے محروم کرگیا۔ ان کی اچانک رحلت سے زندگی میں اس قدر بڑا خلا پیدا ہوا کہ شاید پوری زندگی پر نہ ہو سکے۔ وہ محض ایک عورت یا ماں نہ تھیں بلکہ ہمہ تن اور ہمہ وقت کتاب وسنت کی آئینہ دار ایک مربیہ اور داعیہ خاتون تھیں۔ میرا مقصود والدہ محترمہ کی سوانح حیات بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی سیرت کے وہ امتیازی اوصاف ذکر کرنا ہے جو موجودہ خواتین میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

میں نے جب سے عالمِ شعور میں قدم رکھا ہے، اپنے والدین کو باشرع، متدین اور تہجد گزار پایا ہے۔ والد محترم کپڑے کے کاروبار سے منسلک تھے اور پانچ وقت کے پکے نمازی تھے۔ صبح سویرے اذانِ فجر کے ساتھ ہی ہمیں بیدار کرنا اور ساتھ مسجد لے کر جانا ان کی عادت تھی۔

والدِ محترم ناشتے کے بعد کاروبار کے لیے چلے جاتے تو والدہ محترمہ مکمل ذمہ داری اور دیانت کے ساتھ ان کی نیابت کرتیں اور گھر بار کا خیال رکھتیں۔ نمازوں کے اوقات میں ہم گھر میں داخل ہوتے تو والدہ کی طرف سے پہلا سوال یہ ہوتا تھا: آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟ جواب ہاں میں ہوتا تو دوسرا سوال ہوتا: باجماعت پڑی ہے یا جماعت کے بغیر، اگر جواب یہ ہوتا کہ بغیر جماعت کے پڑھی ہے تو وہ خاصی ناراض ہوتیں، سرزنش کرتیں اور کبھی کبھار پٹائی بھی کر دیتیں۔ نماز کے علاوہ وہ ہمارے لباس اور اخلاق و کردار پر بھی خصوصی توجہ مرکوز رکھتیں۔ انھوں نے بچپن ہی سے ہمیں یہ باور کرا دیا تھا کہ شلوار ٹخنوں سے اونچی ہونی چاہیے۔ شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا کبیرہ گناہ ہے۔ اگر کبھی ہم بھائیوں سے کسی کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو جاتی اور والدہ محترمہ کی نظر پڑ جاتی تو فوراً گرفت کرتیں۔

اگر کہیں وہ خلاف سنت کام دیکھتیں تو برملا اس پر تنقید کرتیں اور اس کی اصلاح کا درس دیتیں اور ان کی طبیعت میں ایسے شخص سے نفرت کا سا اظہار ہوتا تھا، میرے دو بڑے بھائی عملی میدان میں اترے تو انھوں نے داڑھی منڈوانا اور نماز میں سستیاں شروع کر دیں، والدہ محترمہ کو ان دونوں کے ان کرتوتوں کی وجہ سے ایک عجیب سی نفرت ہوگئی تھی۔ وہ انھیں سنت کو اپنانے کا کہتی رہتیں اور ان کے اس برے فعل کو ہدف تنقید بناتی رہتیں اور عملاً ان کاموں سے نفرت کا اظہار یوں کرتیں کہ جب ہم کھانا کھانے لگتے اور بڑے بھائی پہلے کھا چکے ہوتے، ان کے برتنوں میں کچھ سالن وغیرہ بچ گیا ہوتا تو وہ بچا ہوا کھانا ہمیں نہ دیتیں بلکہ کہتیں: یہ بے نماز اور داڑھی منڈھے ہوئے کا جوٹھا ہے، لہٰذا تم اسے نہ کھاؤ۔ اس طرح وہ ہمیں ان کے سامنے نئے برتن میں سالن ڈال کر دیتیں۔ خیر ان کی یہ حسن تربیت اور دعائیں رنگ لائیں کہ اب یہ دونوں بڑے بھائی زینت داڑھی سے مزین ہیں۔ چھوٹے بھائی کی مکمل اور پوری داڑھی ہے اور وہ پانچوں وقت کے باقاعدہ نمازی ہونے کے ساتھ تہجد گزار بھی ہیں۔

تربیت اولاد کے سلسلے میں انھوں نے کبھی قانونِ مساوات کو فراموش نہیں کیا، ہمیشہ ہم سب میں برابری کرتیں اور کبھی کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتیں۔ بیٹوں کی طرح بیٹیوں کی تربیت بھی انھوں نے مکمل اسلامی تناظر میں کی۔ صوم و صلاۃ کی پابندی کرانے کے ساتھ آغاز شباب ہی سے سختی کے ساتھ مکمل شرعی حجاب پر بھی عمل کرایا۔ ان کے تمام معاملات کی کڑی نگرانی کی۔ انھیں کبھی ادنیٰ سا موقع بھی ایسا فراہم نہیں کیا جو ان کے لیے خجالت کا باعث ہو۔

بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کی تربیت زیادہ حساس عمل ہے جس کے لیے بصارت و بصیرت دونوں کی یگانگت انتہائی ضروری ہے۔ بعض مائیں بیٹیوں کی تربیت میں پس و پیش سے کام لیتی ہیں۔ اور دیکھتے بھالتے بھی حقیقت سے آنکھیں چرا لیتی ہیں۔ بعد میں جب ذلت و رسوائی سامنے آ کھڑی ہوتی ہے، تب انھیں ہوش آتا ہے، لیکن اس وقت پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ لیکن والدہ محترمہ اس معاملے کی حساسیت اور نزاکت سے بخوبی آگاہ تھیں، اس لیے ہمہ وقت کڑی نظر رکھتیں۔ بچپن ہی سے ہمارا ایک کزن ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ میں اور وہ ہم جماعت تھے۔ ہم چھٹی ساتویں کے طالبعلم تھے۔ سکول سے آنے کے بعد گھر کی ڈیوڑھی ہی میں کرکٹ کھیلتے تھے۔ چھوٹی بہن بھی ہمارے ساتھ کھیل میں شریک ہو جاتی۔ والدہ محترمہ کو پتہ چلتا تو فوراً اس کو منع کرتیں اور وہاں سے لے جاتیں۔ بعض اوقات ہم اپنے دوسرے مکان میں کرکٹ کھیلنے کے لیے چلے جاتے۔ چھوٹی بہن کو ساتھ لے لیتے، ایک آدھ اور کزن کو بھی ساتھ ملا لیتے، والدہ محترمہ موقع پر ہی دیکھ لیتیں تو فوراً چھوٹی بہن کو روک لیتیں، بعض اوقات ان کے اس طرز عمل پر غصہ بھی آتا کہ خواہ مخواہ ہمارے کھیل کو خراب کر دیتی ہیں۔ لیکن آج جب کیبل اور انٹرنیٹ ایسی آلائشوں کی بنا پر جنسی فضا کو اس قدر مکدر اور ہیجان زدہ دیکھتا ہوں تو بے اختیار والدہ محترمہ کی بصیرت کو سلام کرتا ہوں۔

اولاد کی حسنِ تربیت کے ساتھ وہ اپنے شوہر کی بھی کمال درجہ اطاعت گزار اور فرمانبردار تھیں۔ ہر جائز کام اور مطالبے کے سامنے وہ ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتی تھیں۔ والدِ گرامی شام کے وقت تشریف لاتے۔ ان کے آنے سے پہلے ان کی چارپائی اور اس کے اوپر ان کا بستر بچھا دیا جاتا۔ والدِ گرامی آجاتے تو والدہ محترمہ خود آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کرتیں، انھیں کھانا پیش کرتیں اور ان کی خدمت بجا لاتیں۔ ابا جان طبیعتاً کچھ گرم مزاج تھے۔ بعض اوقات وہ خلاف مزاج کوئی کام دیکھتے تو برسرِعام والدہ محترمہ کو ڈانٹنے لگتے۔ والدہ ان کی ڈانٹ کو بڑے تحمل سے برداشت کرتیں اور ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے ابا جان کی بات کا پلٹ کر جواب دیا ہو۔ دونوں کی توں تکرار نے طول پکڑا ہو۔

ابا جان کا کپڑے کا اچھا کاروبار تھا، جس کی وجہ سے ہمارا گھرانہ خاصا خوشحال تھا۔ 4 اپریل 1993ء کو ابا جان سرطان کے باعث داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ والدِ گرامی کی وفات ہمارے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ وہ ہماری گھریلو معیشت کے واحد سہارا تھے۔ ان کے علاج معالجے پر ان کی کسب کردہ تمام جمع پونجی تقریباً صرف ہو چکی تھی۔ 9 بہن بھائیوں میں سے ابھی صرف دو بہنوں اور ایک بھائی کی شادی ہوئی تھی اور تین بہنوں اور تین بھائیوں کی شادی باقی تھی، پھر کوئی بڑا ذریعہ آمدن بھی نہ تھا، سوائے بڑے سے چھوٹے بھائی کے جو ایک سکول ٹیچر تھے۔ ان دلدوز حالات میں لمحہ بھر کے لیے بھی والدہ محترمہ نے صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ عام عورتوں کی طرح انھوں نے واویلا مچایا نہ گریبان چاک کیا اور نہ جاہلانہ بین کیے بلکہ امر ربی سمجھتے ہوئے بڑے حوصلے سے اپنے رفیق حیات کی جدائی کو برداشت کیا۔

والد صاحب کی وفات کے وقت میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا اور بڑے بھائی یحییٰ عارفی دسویں جماعت میں پڑھ رہے تھے۔ والدہ محترمہ کی شدید خواہش تھی کہ میرے بیٹے قرآن مجید کے حافظ اور عالمِ دین بنیں۔ وہ دنیاوی تعلیم کو اتنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ بڑے دو بیٹوں کے حوالے سے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تھی لیکن چھوٹے دو بیٹوں کے حوالے سے وہ اپنی اس خواہش کو ہر صورت پورا کرنا چاہتی تھیں۔ ایک طرف ان کی یہ خواہش تھی اور دوسری طرف اتنے بڑے کنبے کا بوجھ بھی جس کا واحد سہارا اب ایک سکول ٹیچر بھائی تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے اپنا فیصلہ سنایا کہ طارق اور یحییٰ لاہور دارالعلوم المحمدیہ لوکو ورکشاپ میں دینی تعلیم حاصل کریں گے۔ سب سے بڑے بھائی نے والدہ کے موقف کی مخالفت کی اور کہا: آپ گھریلو حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔ اگر آپ نے ایسا کرنا ہی ہے تو سب سے چھوٹے بیٹے، یعنی مجھے مدرسے میں بھیج دیں اور یحییٰ کو کسی کام میں لگا دیا جائے تاکہ گھریلو اخراجات بآسانی چل سکیں۔

یحییٰ عارفی بھائی بچپن میں شدید بیمار ہو گئے تھے اور ان کے بچنے کی امید نہ رہی تھی۔ تب امی جان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر میرا یہ بیٹا بچ گیا تو میں اسے تیرے دین کے لیے وقف کر دوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو بھولی نہیں تھیں۔ بڑے بھائی کا موقف اپنی جگہ درست تھا۔ گھریلو حالات اسی کے متقاضی تھے کہ ایک اور فرد کو کام کاج کے ذریعے گھریلو معیشت کے استحکام کا باعث بننا چاہیے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے ادراک کے باوجود والدہ محترمہ نے جو جواب دیا، وہ واقعتاً آبِ زر سے لکھنے والا ہے۔ وہ کہنے لگیں: میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا اور میں اس وعدے کو ضرور پورا کروں گی، خواہ مجھے سوکھے ٹکڑے کھا کر گزارہ کرنا پڑے۔ اس طرح انھوں نے اپنا دوٹوک فیصلہ سناتے ہوئے ہم دونوں بھائیوں کو مدرسے بھیج دیا۔ اللہ کے خاص فضل وکرم کے بعد یہ ان کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ میں نے ایک سال سات ماہ میں حفظ قرآن مکمل کر لیا اور یحییٰ بھائی نے چھ سالہ کورس پانچ سال میں مکمل کرتے ہوئے چھٹے سال وہیں دارالعلوم المحمدیہ میں پڑھانا شروع کر دیا اور ابھی تک وہیں مدرس ہیں اور میں نے درس نظامی کے بعد تجوید وقراءت کا کورس کیا، میٹرک کیا، عربی فاضل کیا اور 2003ء سے تاحال دارالسلام سے وابستہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور والدہ محترمہ کی دعاؤں کی بدولت ہم دونوں بھائیوں کو بے پناہ عزت دی ہے۔ یحییٰ عارفی بھائی جماعت اہل حدیث کے معروف مناظر ہیں اور تمام

جماعتی حلقوں میں مشہور ومقبول ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مساعیِ جمیلہ قبول فرمائے اور انھیں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

ترا پسینہ ہے عطر آگئیں ترا تکلم نشاط افزا
ترے شگوفوں پہ ہو رہی ہے نثار مشک ختن کی خوشبو

جس طرح دانائی، فراست اور انسانی نفسیات کی باریک تر باتوں پر ان کی نگاہ رہی، اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ بیٹوں اور بیٹیوں کے رشتوں کے حوالے سے انھوں نے ہمیشہ صرف اور صرف دین داری کو ترجیح دی۔ داماد کے انتخاب کے لیے ان کے پیش نظر صرف یہ معیار تھا کہ وہ علم دین کا شناور اور باعمل ہو۔ اس کے لیے قرب و بعد کی کوئی قید نہ تھی۔ بعض اوقات وہ اس کے لیے عارف والا سے مظفر گڑھ جیسے دور دراز اور پسماندہ علاقوں میں بھی رشتہ دیکھنے کے لیے گئیں۔ وہ اس معاملے میں مخلص تھیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کا مطلوب عطا فرمایا۔ الحمدللہ ہمارے پانچ بہنوئیوں میں سے چار درس نظامی کے فاضل علماء ہیں اور ایک بہنوئی میڈیکل سے وابستہ ہیں لیکن وہ بھی پنج وقتہ نمازی اور باشرع و متدین ہیں۔ اس طرح دین داری کی بدولت ہماری پانچوں بہنیں اپنے اپنے گھروں میں خوشحال زندگی بسر کر رہی ہیں۔

والدہ محترمہ کی زندگی میں توحید کا رنگ بہت گہرا تھا وہ جہاں بھی توحید الٰہی کے خلاف کچھ دیکھتیں بلا خوف و خطر اس کی تردید کرتیں۔ ایک دفعہ میں ان کے ساتھ سفر میں تھا۔ ان کے ساتھ بیٹھی خواتین کے اندازِ گفتگو سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی دربار پر نذر نیاز دے کر آ رہی ہیں۔ یہ باتیں سن کر والدہ محترمہ کی غیرت توحید جوش میں آ گئی اور انھوں نے فوراً ان کے افکار فاسدہ کو ہدف تنقید بنایا اور برملا کہا: بہنو! یہ درباروں والے تو بے بس عاجز ہیں۔ نہ کچھ دے سکتے ہیں اور نہ لے سکتے ہیں۔ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ ان خواتین کے ساتھ مرد حضرات بھی تھے جو والدہ کی باتوں کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے، اس لیے میں نے والدہ محترمہ کو خاموش کرانے کی کوشش کی کہ کہیں یہ لوگ بدتمیزی پر نہ اتر آئیں، لیکن والدہ محترمہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ''تم خاموش رہو، میں حق بات کہہ کر رہوں گی اللہ ہمارے ساتھ ہے، کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔'' وعظ توحید کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جذبہ بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کسی منکر کا ارتکاب ہوتا ان سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے، وہ حق بات کہہ دیتی تھیں۔ 2005ء میں ہم حج بیت اللہ کے لیے گئے۔ لاہور سے PIA کے ذریعہ جدہ گئے۔ جہاز میں حجاج کرام کی خدمت پر مامور ائیر ہوسٹس ایک بے پردہ لڑکی تھی۔ جیسا کہ عام طور پر جہازوں میں ہوتا ہے۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر والدہ کی طبیعت خاصی مکدر ہوئی کہ غیر محرموں کے سامنے یوں بے پردہ آ جا رہی ہے۔ دورانِ سفر تو انھوں نے اپنے جذبات پر ضبط کیے رکھا، جب ہم جدہ ائیر پورٹ پر اترنے لگے تو وہ لڑکی مسافروں کو الوداع کہنے کے لیے جہاز کے دروازے پر کھڑی تھی۔ جب وہ اس کے پاس سے گزرنے لگیں تو ٹھہر گئیں اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگیں: بیٹی! مردوں کے سامنے یوں بے پردہ نہیں آتے جاتے۔ یہ بڑا گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، لہٰذا پردہ کیا کرو۔'' وہ ایئر ہوسٹس بڑے مؤدب لہجے میں ٹھیک ہے ماں جی، ٹھیک ہے ماں جی کرتی رہی۔

والدہ کی شدید خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں حج بیت اللہ کی سعادت سے فیض یاب کر دے اور کبھی کبھار دبے لفظوں اس خواہش کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ لیکن ظاہری حالات میں انھیں اپنی اس دلی خواہش کی تکمیل کا کوئی وسیلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ کیوں نہ تم والدہ کی یہ خواہش پوری کرنے کی کوشش کرو۔ پھر واقعتاً میں محض اللہ کے فضل وکرم سے نہ صرف والدہ کی تکمیل خواہش کے قابل ہو گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کی بدولت مجھے بھی اپنے گھر کی زیارت کے لیے قبول فرما لیا، یوں ہم ماں بیٹا سعادت حرمین سے بہرہ ور ہوئے۔ ان قیمتی لمحات سے جس طرح بھرپور انداز میں انھوں نے فائدہ اٹھایا، کم ہی لوگ اس طرح وہاں جا کر اس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی ہر نماز بیت اللہ کے بالکل قریب ادا ہو۔ بے پناہ رش اور پیرانہ سالی کے باوجود وہ اپنی اس دلی تمنا کو پورا کرنے میں کامیاب ہو جاتی تھیں۔

قرآن مجید اورنوافل کے ساتھ انھیں خاص شغف تھا۔تہجد کے وقت اٹھ جانا، پھر نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اشراق تک مسلسل محو اذکار رہنا۔ اشراق کی نماز پڑھ کر کچھ دیر کے لیے سستانا، پھراٹھ کرنماز چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھنا اوراس کے بعد دو یا تین گھنٹے قرآن مجید کی تلاوت، پھر نمازِ اوابین پڑھنا، بقیہ نمازوں کی ادائیگی اور فارغ اوقات میں ذکر اذکار اور تلاوت قرآن اور پھر نماز عشاء کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹے قرآن مجید کی تلاوت کرنا، ان کی زندگی کا معمول تھا۔ان کی زندگی کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ نفلی روزے رکھنے کی بھی بڑی شوقین تھیں۔سوموار، جمعرات اورایام بیض (ہر ماہ چاند کی 15,14,13 تاریخ) کے روزے رکھنا ان کا مستقل معمول تھا۔سخت گرمیوں میں بھی ان کے اس معمول میں کچھ ردوبدل نہ ہوتا، بلکہ اس حوالے سے بڑی عجیب بات یہ دیکھنے کوملتی کہ جون، جولائی کے مہینے میں بھی وہ نفلی روزے رکھتیں اورافطاری کے وقت ایک ڈیڑھ گلاس شربت یا دودھ پی کر بس کر دیتیں، اور پینے کا مطالبہ کیا جاتا تو کہتیں: مجھے پیاس ہی اتنی تھی۔ یہ اللہ کی طرف سے ان پر خصوصی فضل و کرم تھا وگرنہ ایسے موسم میں تو حلق تر ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔

وہ مکمل شرعی حجاب کی پابند تھیں۔ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر لینے کے بعد ان کا حجابی حصار مزید مضبوط ہوگیا۔ پہلے وہ بڑی چادر کے ساتھ چہرے سمیت تمام بدن کو ڈھانپتی تھیں، اب انھوں نے اس کے لیے باقاعدہ سیاہ رنگ کا برقع سی لیا تھا۔ بڑھاپے کی عمر میں شریعت حجابی معاملے میں تخفیف کی اجازت دیتی ہے، بشرطیکہ بناؤ سنگھار نہ ہو، لیکن وہ عزیمت پر ہی عمل پیرا رہنا چاہتی تھیں، ان کا یہ طرز عمل دیکھ کر مجھے جلیل القدر تابعیہ سیدہ حفصہ بنت سیرین یاد آجاتی تھیں۔ وہ بھی بڑھاپے کی عمر میں سختی کے ساتھ چہرے کا پردہ کرتی تھیں۔ قرآن و حدیث کی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ ہزاروں لوگوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے اورعلم قرآن و حدیث سے سیراب ہوئے۔ ایک دن ان سے ان کے کسی شاگرد نے کہا: آپ اس عمر میں بھی اتنی سختی کے ساتھ پردہ کرتی ہیں جبکہ قرآن مجید تو آپ جیسی خواتین کو پردے میں تخفیف کی رخصت دیتا ہے؟ وہ فرمانے لگیں: اسی آیت کا اگلا حصہ کیا ہے: ﴿وَّاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ﴾ ''اور یہ بات کہ وہ (پردہ اتارنے سے) بچیں، ان کے لیے زیادہ اچھی ہے۔'' (النور 60:24) لہٰذا میں افضل پر عمل کرنا چاہتی ہوں۔ (صفة الصفوة لابن الجوزی)

والدہ محترمہ کی شخصیت کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ایک بلند حوصلہ، مضبوط اعصاب کی مالکہ اور بڑی صابرہ شاکرہ خاتون تھیں۔ زندگی کی چیرہ دستیوں کا انھوں نے ہمیشہ توکل علی اللہ اور بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ اور کسی بھی وقت وہ اپنے دعا والے ہتھیار سے غافل نہ ہوئیں۔ تعلق مع اللہ کا عالم یہ تھا کہ ان کے ناتواں ہاتھ بارگاہِ ایزدی میں اٹھے نہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے نہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ رب العزت نے ان کی تمام مرادیں پوری کردی تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ ''یا باری تعالیٰ! مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔'' دعا کے ساتھ ساتھ ان کا طرزِ عمل بھی اس دعا کا آئینہ دار تھا۔ ان کی ذات سے متعلق جو بھی کام ہوتا وہ کسی کو کہے بغیر خود ہی کر گزرتیں۔ یہاں تک کہ نہانے جاتیں تو اپنے کپڑے خود ہی دھولیتیں۔ ان کی بیٹیاں اور بہوئیں ان سے کہتیں: امی جان! ہم آپ کے یہ کام کر دیں گی تو وہ بڑے پیار سے جواب دیتی: اللہ تعالیٰ نے مجھے ہاتھ دیے ہیں، صحت دی ہے، لہٰذا میں خود یہ سارے کام کروں گی۔ میری خوش بختی تھی کہ وہ عرصہ چار سال سے میرے یہاں رہ رہی تھیں۔ ایک دفعہ وہ خود ہی اپنے کپڑے دھو رہی تھیں۔ مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے کہا: ماں جی، یہ کیا بات ہوئی؟ آپ خود کیوں یہ تکلیف اٹھاتی ہیں اور پھر ہم آپ کو لائے ہی آپ کی خدمت کے لیے ہیں؟ اگر یہ سارے کام آپ نے خود ہی کرنے ہیں تو ہمارا کیا فائدہ؟ وہ بڑی شفقت سے کہنے لگیں: میں یہ کام خود کر سکتی ہوں، لہٰذا کر رہی ہوں، اوراللہ تعالیٰ مجھے کسی کا محتاج نہ کرے۔

میں نے کہا: محتاجی تو غیروں کی ہوتی ہے، بھلا سگی اولاد کی کیا محتاجی ہوئی؟ وہ کہنے لگیں: محتاجی، محتاجی ہوتی ہے، چاہے سگی اولاد کی ہو، میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے اپنی اولاد کا بھی محتاج نہ کرے اور یونہی کام کاج کرتے اور چلتے پھرتے مجھے اس جہاں

سے لے جائے۔ جس اخلاص اور گریہ کے ساتھ وہ دعا کرتی تھیں، یقیناً اسے قبول ہونا ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس بندی کو اپنے سوا لمحہ بھر کے لیے بھی کسی کا محتاج نہیں ہونے دیا۔ بڑے بھائی عباس اور ان کی اہلیہ عمرہ کے لیے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ والدہ لاہور سے ان کے یہاں گئیں تاکہ انھیں عمرے کے متعلق معلومات دیں اور تیاری میں ان کی معاونت کریں۔ انھیں عارف والا گئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ اتوار تین جون کو عارف والا کے نواحی گاؤں میں مقیم ہماری اکلوتی پھوپھو نے بھائی جان اور بھابھی کی دعوت کی۔ والدہ محترمہ نے پھوپھو جان کو بیٹیوں کی طرح پالا تھا، اس لیے جب پھوپھو کو پتا چلا کہ آپا جان بھی لاہور سے تشریف لائی ہیں تو انھوں نے والدہ محترمہ سے شدید اصرار کیا کہ آپ بھی ان کے ساتھ ضرور آئیں۔

والدہ محترمہ نے بار بار انکار کیا لیکن پھوپھو جان نہ مانیں، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو موٹر سائیکل دے کر بھیج دیا کہ جاؤ اپنی خالہ جان کو لے آؤ۔ اس طرح نہ چاہنے کے باوجود بھی انھیں جانا پڑا۔ وہ جاتی بھی کیوں نا، آخر فرشتہ اجل انھیں ان کے مقررہ وقت اور مقررہ جگہ کی طرف لے جانا چاہتا تھا جس سے کسی کو مفر نہیں۔ اس لیے انھیں جانا پڑا۔ وہ میرے کزن کے ساتھ سوار ہوکر چلیں، ابھی گھر سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر گئی تھیں کہ اچانک ایک طرف سے گدھا ریڑی نمودار ہوئی اور ان کے موٹر سائیکل سے ٹکرا گئی۔ وہ سب سے پیچھے سوار تھیں، ان سے آگے میرے دو کزن بیٹھے ہوئے تھے، وہ دونوں بچ گئے۔ امی جان کو بظاہر معمولی سی چوٹیں آئیں لیکن حقیقت میں وہ بہت گہری تھیں۔ انھیں کسی سے کلام کرنے کا کوئی موقع نہ ملا اور وہ عالم فانی سے عالم باقی کی طرف رحلت فرما گئیں۔ اگلے روز چار جون کو بھائی یحییٰ عارفی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دارالسلام لاہور کے مدیر محترم حافظ عبدالعظیم اسد اور ان کے ساتھ پروفیسر امان اللہ بھٹی اور پروفیسر محمود الحسن بزمی (برادرِ اصغر مولانا حافظ مسعود عالم ﷾) بھی جنازہ میں شریک ہوئے۔ میں جب دارالسلام واپس آیا تو ایک روز پروفیسر محمود الحسن بزمی صاحب مجھے کہنے لگے: اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ محترمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ وہ واقعتاً ایک نیک خاتون تھیں کیونکہ ان کی نماز جنازہ کے دوران میں ایک روحانی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔

وہ جس طرح اپنی زندگی میں ہر خلاف شرع کام سے بچنے کی کوشش کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد بھی انھیں اس سے محفوظ رکھا۔ ان کے لیے لحد تیار کی گئی۔ لحد کو بند کرنے کے لیے کنکریٹ کی بنی سلائیز استعمال کی جاتی ہیں۔ محترم حافظ عبداللہ رفیق صاحب فرمانے لگے: شرعاً یہ درست نہیں، ہمیں اس کے متبادل کوئی انتظام کرنا چاہیے۔ بظاہر کوئی متبادل ذریعہ نظر نہیں آرہا تھا۔ وقتی طور پر تشویش بھی ہوئی کہ اس طرح تدفین میں تاخیر ہوجائے گی۔ لیکن اچانک ایک دوست نے بتایا کہ قریب ہی کافی مقدار میں کچی اینٹیں پڑی ہوئی ہیں جو کسی صاحب دل نے اسی لیے رکھوائی ہیں۔ حسن اتفاق سے وہاں ہمارے ایک ہمسائے مستری بھی موجود تھے، انھوں نے بڑی سرعت، جانفشانی اور کمال ہنرمندی سے قبر کے اوپر کچی اینٹوں کی ایک خوبصورت چھت بنا دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے دنیاوی ذوق کے مطابق اس مکروہ کام سے بھی بچا لیا۔

انھوں نے جس خوبصورت انداز میں میری تربیت فرمائی، قدم قدم پر حوصلہ افزائی کی، اپنی پرخلوص دعاؤں سے نوازا، یقیناً وہ میرے لیے منارۂ نور تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ میری والدہ محترمہ کو ان کی محنتوں اور قربانیوں کا صلہ عنایت فرمائے، انھیں اپنی بے پایاں رحمت میں ڈھانپ لے اور انھیں اپنے مقربین میں شامل کرلے، آمین

کسی صاحب دل نے ماں کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اس کے کارناموں کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

اپنے اپنے ہمدردوں کا نام لکھو
جب یہ حکم ملا تو میں نے لکھا ماں
ساری دنیا گھور اندھیرا، کالی رات
اور اس رات میں سورج، چاند، ستارا ماں

❀❀❀



جھنڈانگر (نیپال) میں

دارُالسّلام انٹرنیشنل کی برانچ کا افتتاح

الحمدللہ! نیپال کے شہر جھنڈانگر میں دارالسلام کی نئی شاخ کا افتتاح ہوا ہے۔اس کی روداد مولانا شمیم احمد ندوی نے دارالسلام کے مینجنگ ڈائریکٹر مولانا عبدالمالک مجاہد ﷾ کو ارسال کی۔قارئین کے لیے اسے ضیائے حدیث میں شامل کیا جارہا ہے۔

مکرمی و محترمی جناب عبدالمالک مجاہد صاحب ﷾ بانی و مالک مکتبہ دارالسلام انٹرنیشنل، ریاض، مملکت سعودیہ عربیہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک! اللہ کرے آنجناب بخیر و عافیت خدمت دین میں مصروف ہوں، بحمداللہ وفضلہ ہم سب بھی بخیر وعافیت ہیں۔

سب سے پہلے میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے پسماندہ ترین ملک ''نیپال'' میں اپنے عالمی اورمقبول ترین طباعتی، اشاعتی اوردعوتی ادارہ ''مکتبہ دارالسلام انٹرنیشنل'' کی شاخ قائم فرمائی اوراس کے انتظام و انصرام کے لیے آپ نے ملک کے سب سے قدیم اور مرکزی تعلیمی و دعوتی ادارہ ''جامعہ سراج العلوم السّلفیہ'' جھنڈانگر (نیپال) کا انتخاب فرماکر اس کے وقار واعتبار میں اضافہ کیا۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اچھا صلہ اور بدلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔آپ کی دعوتی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر فرمائے اورانھیں آپ سب کے لیے ذخیرۂ آخرت قرار دے، آمین

ہمارا پروگرام تھا کہ مکتبہ دارالسلام کا افتتاح ہم جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈانگر کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی عالمی دعوتی وتعلیمی کانفرنس ''مؤتمر الدعوۃ والتعلیم'' (منعقدہ:29 تا31 مارچ 2013ء) کے موقع پر کرتے اور کانفرنس میں اس کی مطبوعات کی نمائش کا بھی اہتمام کرتے

شمیم احمد ندوی
ناظم: جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر، نیپال

تاکہ اس کا پیغام نیپال و ہند کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے، مگر وقت کی تنگی اور کانفرنس کی انتظامی مصروفیات کے سبب ہمیں چنئی سے کتابیں حاصل کرنے میں تاخیر ہوئی اور ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔اس لیے کہ کتابیں کانفرنس کے بعد ہی پہنچ سکیں۔اس کے لیے ہمیں افسوس ہے، پھر بھی ہم اس کے پیغام کو عام کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کرنے میں دریغ نہیں کریں گے، ان شاء اللہ۔

کتابوں کے نیپال پہنچنے کے بعد ہم نے عالمی پیمانہ پر شہرت یافتہ آپ کے طباعتی، اشاعتی اوردعوتی ادارہ ''مکتبہ دارالسلام انٹرنیشنل'' ریاض کے سلسلہ میں اشتہار شائع کیا اورعوام وخواص کو یہ خوشخبری دی کہ مکتبہ دارالسلام نے نیپال میں اپنی ایک شاخ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر کے زیر انتظام جھنڈانگر میں قائم کردی ہے۔اس اعلان و اشتہار سے علماء، طلبہ اور علم دوست مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اس خبر کا والہانہ خیر مقدم اوراستقبال کیا گیا اور بڑی تعداد میں لوگوں نے مل کر یا فون پر ہمیں مبارک باد دی۔

مکتبہ کے افتتاح کے لیے ہندوستان کے معروف عالم دین اورجامعہ سلفیہ بنارس کے سابق شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالسلام مدنی ﷾ کا انتخاب کیا گیا جو ہر لحاظ سے اس علمی کام کے لیے موزوں ترین تھے۔

چنانچہ 21اپریل2013ء بروز ہفتہ بعد نماز عصر اس کا باضابطہ افتتاح موصوف کے دست مبارک سے ہوا۔تقریب افتتاح کی تمہیدی کارروائی بعد نماز عصر جامعہ کی مسجد میں انجام

پذیر ہوئی۔ اس پروگرام کی صدارت بہ طور ناظم جامعہ راقم (شمیم احمد ندوی) نے کی اور بطور مہمان خصوصی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالسلام مدنی ﷾ رونق بزم رہے۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد راقم نے اختصار کے ساتھ مکتبہ دارالسلام کا تعارف پیش کیا اور اس کی مطبوعات کی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے دعوتی میدان میں اس کی کارکردگی کو سراہا اور بتایا کہ اس وقت بین الاقوامی سطح پر جن مکتبات کو مقبولیت حاصل ہے اور جن کی مطبوعات ذوق وشوق کے ساتھ پوری دنیا میں پڑھی جاتی ہیں ان میں مکتبہ دارالسلام انٹرنیشنل سرفہرست ہے۔ ریاض (سعودی عرب) میں اس کا ہیڈ آفس ہے، جب کہ سعودی عرب کے متعدد منطقوں اور شہروں میں اس کی دسیوں شاخیں قائم ہیں۔ اسی طرح سعودی عرب کے علاوہ ترقی یافتہ یورپی ممالک، نیز خلیجی ممالک اور دیگر ترقی پذیر ممالک میں اس کی شاخیں اس کے دعوتی مشن کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مکتبہ دارالسلام نے دنیا کی تقریباً تمام زندہ زبانوں میں تفاسیر قرآن کریم، شروح احادیث، احکام ومسائل، اصلاح وتربیت جیسے اہم موضوعات کے علاوہ منہج سلف کے احیاء اور نشر واشاعت کے لیے سیکڑوں قابل قدر کتابیں اعلیٰ طباعتی معیار کے ساتھ شائع کی ہیں اور انھیں پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اپنی گفتگو کے آخر میں راقم نے مکتبہ کے بانی اور مالک کے طور پر آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے آپ کی زبردست علمی ودعوتی کاوشوں کو سراہا اور لوگوں کو بتایا کہ جناب عبدالمالک مجاہد صاحب اپنے سیکڑوں کی تعداد میں عملہ اور سٹاف کے ساتھ مکتبہ کے دائرۂ عمل کو وسعت دینے میں لگے ہیں۔ میں نے اس موقع پر اپنی بے پایاں خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر آپ حضرات کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے اس بین الاقوامی معیاری مکتبہ کی شاخ نیپال میں قائم فرما کر اس کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری جامعہ سراج العلوم کو تفویض کی۔ آپ کی جانب سے یہ اعتماد ہمارے لیے اعزاز اور فخر کی بات ہے۔ ان شاء اللہ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اس مکتبہ کے پیغام کو عام کریں اور نیپال و ہند کے ہر ہر گھر میں اس کی مطبوعات کو چراغ ہدایت کی شکل میں پہنچائیں۔

میری اس گفتگو کے بعد مہمان خصوصی مولانا عبدالسلام مدنی ﷾ نے مختصر خطاب فرمایا اور حفاظت علم کی اہمیت کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے مکتبات کے دعوتی فوائد پر روشنی ڈالی اور نیپال میں اس عظیم الشان مکتبہ کے قیام کو دعوت کے میدان میں ایک مستحسن اقدام قرار دیا، اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو عام فرمائے اور اس سے دعوت کے میدان میں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

مولانا نے خطاب کے بعد مہمان خصوصی، اساتذہ کرام، طلبہ اور دیگر مہمانان گرامی اور علم دوست مقامی حضرات نیز مضافات کے سیکڑوں فرزندان توحید، مکتبہ دارالسلام کے گیٹ پر حاضر ہوئے۔ ان سب کی موجودگی میں نہایت سادگی کے ساتھ حضرت مولانا عبدالسلام مدنی ﷾ نے مکتبہ کا دروازہ کھول کر اس کا افتتاح کیا اور مکتبہ کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں۔ اس موقع پر کرشنا نگر، جھنڈانگر، بڑھنی اور مضافات کے علم دوست حضرات کی خاصی تعداد موجود تھی جنھوں نے اپنے ذوق کی کتابوں کا انتخاب کر کے ان کی خریداری بھی کی۔ واضح رہے کے بطور تحریض افتتاح کے موقع پر کتابوں کی قیمت میں زبردست، یعنی 50% رعایت کا اعلان بھی میں نے کر دیا تھا۔

اس مکتبہ کو چلانے کی ذمہ داری سردست اپنے جامعہ کے ایک ہونہار فاضل مولانا محمد زبیر سراجی کو تفویض کی گئی ہے۔ مکتبہ دارالسلام کے افتتاح سے اہل علم، اساتذہ، طلبہ اور عام مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی اور سب نے اس پر خوشی کا اظہار بھی کیا ہے اور نیپال میں اس کی شاخ قائم کرنے پر آنجناب اور آپ کی پوری ٹیم کو ارمغان تشکر و امتنان پیش کیا ہے، شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَكُمْ وَجَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا.

آخر میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ آپ نے اپنے گراں قدر مکتبہ کے ذریعے ہمیں دعوت دین کا موقع عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص

شمیم احمد ندوی

ناظم جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر، نیپال



موریتانیا

محسن فارانی

آخری قسط

عالمِ عرب کا انتہائی مغربی ملک جہاں 100 فیصد مسلمان بستے ہیں

شنقیط اور شنقیطی علماء

شنقیط شہر اور علاقہ شنقیط ماضی میں موریتانیا کا علمی مرکز رہا ہے۔ موریتانیا میں عام کہاوت ہے کہ ''علم تو بس شنقیطی ہے۔'' یہاں شنقیط (لغوی معنی ''گھوڑوں کا چشمہ'') نامی قصبہ 160ھ میں آباد ہوا تھا جسے بعد میں صحرائی ریت نے ویران کردیا اور پھر اس سے دو تین میل دور موجودہ شنقیط کی بنیاد پڑی۔ یہاں پیدا ہونے والے مشہور علماء یہ ہیں:

⊙ محمود الشنقیطی (متوفی 1904ء) ماہر لسانیات و انساب تھے۔ ان کی کتاب ''تصحیح کتاب الاغانی'' مشہور ہے۔

⊙ احمد الشنقیطی (متوفی 1912ء) ادیب اور ماہر لغت تھے۔ ان کی تصانیف میں ''الوسیط فی تراجم ادباء شنقیط''، ''الدرر اللوامع علی همع الهوامع شرح جمع الجوامع'' اور ''المعلقات العشر واخبار قائليها'' مشہور ہیں۔

⊙ سیدی مصطفیٰ بن محمد فاضل ملقب بہ ماء العینین الشنقیطی (متوفی 1910ء) محدث مغربی کہلاتے ہیں۔ ان کی کتب ''الایضاح لبعض الاصطلاح'' اور ''شرح راموز الحدیث'' قابل ذکر ہیں۔

موریتانیا کے فرانسیسی کمشنر کبولانی کے 1323ھ/1905ء میں قتل کے بعد جو عوامی تحریک اٹھی، اس کی قیادت سیدی مصطفیٰ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ فرانسیسیوں کے خلاف مجاہدین کو لڑائی کے لیے تیار کرتے تھے اور جہاد کرتے ہوئے 1328ھ/1910ء میں فوت ہوئے۔

⊙ شیخ محمد الامین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی (متوفی 1393ھ/1973ء) نے کئی جلدوں میں تفسیر ''اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن'' لکھی ہے۔

ولاتہ، ودان اور تیشیت

ولاتہ میں فن تعمیر کی شاہکار مساجد ہیں۔ یہ شہر مراکش سے مالی اور غانا (گھانا) جانے والے قافلوں کی راہ گزر رہا ہے جو کھجور سے لدے ہوتے تھے۔ ودان اور تیشیت میں قدیم مساجد اور لائبریریاں ہیں۔

گھوڑے کے مُول کتابِ فقہ

سیدی عبداللہ ولد الحاج ابراہیم بارھویں تیرھویں صدی ہجری کے مشہور عالم تھے۔ انھوں نے طویل عمر پائی۔ وہ جامعہ ازہر میں درس دیتے رہے۔ والیٔ مصر محمد علی پاشا نے انھیں مصر بلایا اور ایک عمدہ گھوڑا تحفے میں دیا۔ سیدی عبداللہ نے اس گھوڑے کے عوض فقہ مالکی کی کتاب ''الحطاب'' کا قلمی نسخہ خرید لیا



اوراس میں لکھا: جعلته حطابًا (میں نے دنیا اوراس کی دولت کو کتاب الحطاب کے درجے میں رکھا) محمد علی پاشا نے اس پر انھیں ملامت کی تو انھوں نے جواب دیا: ''جب گھوڑا میرا ہوگیا تو میں نے اس کے عوض الحطاب خرید لی اور مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں۔''

موریتانیا پر فرانسیسی قبضہ

یورپیوں میں سب سے پہلے موریتانیا کے علاقے میں پرتگالی آئے۔ انھوں نے 1447ء میں جزیرہ ارگون پر قبضہ کر کے غلاموں، سونے اور گوند کی تجارت شروع کی۔ 1626ء میں فرانس نے دریائے سینیگال کے دہانے پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے پرتگالیوں کو یہاں سے نکال باہر کیا۔ فرانسیسی انیسویں صدی کے اختتام تک سینیگال پر قابض ہوچکے تھے۔ وہاں سے انھوں نے موریتانیا کے علاقوں پر حملوں کا آغاز کیا۔ 1904ء تک فرانس نے مختلف معاہدوں اور بہانوں کی آڑ لے کر سارے موریتانیا پر قبضہ کرلیا۔ ملک کے شمال میں ادرار قبیلے نے فرانسیسیوں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ 1912ء تک پورا موریتانیا فرانسیسی مغربی افریقہ کا حصہ بن گیا جس کا دارالحکومت سان لوئی (سینیگال) تھا۔

فرانس کے خلاف جہادِ آزادی

⊙ فرانسیسی استعمار موریتانیا کے جنوب میں وادیٔ سینیگال سے داخل ہوا تھا جہاں معرکۂ سن الفیل میں امیر بکار نے 70 سال کی عمر میں شہادت پائی۔ فرانسیسیوں کو ملک کے مشرقی اور شمالی علاقوں میں شدید مزاحمت پیش آئی۔ پھر 1905ء میں شہر تیجیکجه میں سیدی ولد مولائی الزین کی قیادت میں مجاہدین نے صلیبیوں کو شکست فاش دی۔ اس جنگ میں فرانسیسی کمانڈر کرنل کبولانی جہنم رسید ہوا۔

⊙ 1346ھ/1927ء میں نواکشوط کے 40 میل شمال میں معرکۂ ام التونسی میں مجاہدین نے فرانسیسیوں کا سارا لشکر تہس نہس کر دیا۔ اس معرکے میں تمام شمالی قبائل کی قیادت دو بھائیوں شیخ محمد المامون اور شیخ وجاہا اوراید ولد محمد خلیل نے کی۔

⊙ 1352ھ/1933ء میں شمالی موریتانیا میں ایک اور معرکہ برپا ہوا جس میں امیر ادرار (صوبہ ودیان الخروب) سیدی احمد ولد احمد عیدہ شہادت سے ہمکنار ہوئے اوران کا سر کاٹ کر ادرار کے دارالحکومت میں فرانسیسی سپہ سالار کے پاس لے جایا گیا۔

⊙ آخری بڑا معرکہ اقسرمت کے مقام پر 1356ھ/1937ء میں پیش آیا جس میں قائد مجاہدین عبدالقادر بن احمد الطلبہ نے فرانسیسی کمانڈر کا گھوڑا اوراسلحہ چھین لیا، تاہم لڑائی کے آخری مرحلے میں عبدالقادر شہید ہوگئے۔

صوبہ تیرس زمور میں فورٹ گورو نامی قلعہ ہے۔ اہل موریتانیا کا خیال ہے کہ یہ گورو وہی فرانسیسی کمانڈر تھا جس نے جنگ عظیم اول کے آخر میں دمشق پر توپوں سے گولہ باری کی تھی اور موریتانی قبیلہ الرقیبہ نے 1356ھ کے معرکے میں اسے قتل کر دیا تھا۔

غربت اور فوجی انقلاب

موریتانیا اسلامی دنیا اورافریقہ کے غریب ترین ممالک میں شامل ہے۔20 فیصد آبادی 1.25 ڈالر فی کس روزانہ پر گزر بسر کرتی ہے۔ آزادی سے لے کر اب تک یہ ملک مختلف سیاسی و معاشی مسائل کا شکار چلا آرہا ہے۔ یہاں 1978ء سے 1992ء تک فوجی حکومت رہی۔ آخری فوجی انقلاب اگست 2008ء میں برپا ہوا تھا جب جنرل محمد ولد عبدالعزیز برسراقتدار آئے۔ وہ جولائی 2009ء کے انتخابات جیت کر صدر مملکت بن گئے۔ مولائی ولد محمد لغظف 14 اگست 2008ء کو وزیر اعظم بنے تھے۔

معدنیات

موریتانیا میں لوہے، جست، تانبے، ہیرے، جپسم، سونے اور یورانیم کے ذخائر پائے جاتے ہیں مگر کانکنی نے ابھی زیادہ ترقی نہیں کی۔ اس وقت لوہے کی پیداوار ملکی پیداوار کا نصف ہے۔ 2001ء میں موریتانیا کے سمندر میں تیل دریافت ہوا اوراب یہ تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں شامل ہوگیا ہے، اگرچہ پیداوار ابھی کم ہے۔ اندازہ ہے کہ اندرونِ ملک طاس تاؤدینی میں تیل کے وسیع ذخائر ہیں۔

زرعی پیداوار

موریتانیا میں بارش کبھی کبھی سردیوں میں ہوتی ہے۔ دریاؤں کی خشک گزرگاہوں اور نخلستانوں میں مکئی باجرہ اور تربوز کی کاشت



ہوتی ہے۔نخلستانوں سے کھجور کی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ جنوب میں دریائے سینیگال کی وادی البتہ خاصی زرخیز ہے جہاں مکئی، گندم اور مونگ پھلی کاشت کی جاتی ہیں۔ سمندر سے مچھلی پکڑی جاتی ہے۔

کھیل

موریتانیا کے لوگ فٹ بال کے بڑے شوقین ہیں۔ یہاں کئی فٹ بال کلب ہیں جنھوں نے افریقہ کے کئی بڑے نامور کھلاڑی پیدا کیے ہیں۔فٹ بال کے علاوہ لوگ گالف، رگبی اور بیڈمنٹن بڑے شوق سے کھیلتے ہیں۔

فرانسیسی مغربی افریقہ

استعماری دور میں مغربی افریقہ کے فرانسیسی مقبوضہ علاقہ میں نو ممالک شامل تھے: موریتانیا، سینیگال، فرنچ سوڈان (مالی)، فرنچ گنی، آئیوری کوسٹ، ٹوگو، برکینا فاسو (اپر وولٹا)، بینن (داہومی) اور نائیجر۔ ان میں سے فرانسیسی گنی نے 1958ء میں اور دیگر ملکوں نے 1960ء میں فرانسیسی استعمار سے آزادی حاصل کی۔

مغربی صحرا کا جھگڑا

1976ء میں سپین نے مقبوضہ مغربی صحرا (ریوڈی اورو) خالی کر دیا تو اس کا ایک تہائی حصہ موریتانیا نے اپنے علاقے میں شامل کرلیا اور باقی مراکش کے حصے میں آیا۔ اس کے نتیجے میں مغربی صحرا کے آزادی پسندوں نے موریتانیا اور مراکش کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ اس دوران میں بہت سی ہلاکتیں ہوئیں۔ آخر کار 1979ء میں موریتانیا اپنے حصے سے دست بردار ہوگیا اور اس پر بھی مراکش قابض ہوگیا۔ یاد رہے مغربی صحرا فاسفیٹ کی معدنی دولت سے مالا مال ہے۔

صحرائے اعظم

دنیا کا سب سے بڑا ریگستان ''صحرائے اعظم'' (عربی الصحراء الکبریٰ، انگریزی Sahara) شمالی افریقہ کے اندر مشرق میں بحیرۂ احمر (قلزم) سے لے کر مغرب میں بحرِ اوقیانوس تک پھیلا ہوا ہے۔ شمالاً جنوباً اس کی وسعت بحیرۂ روم اور کوہستان اطلس سے ساحل (جنوب کی نیم خشک میدانی پٹی ''سوانا'') تک ہے۔ اس صحرا کا رقبہ تقریباً 35 لاکھ مربع میل یا 90 لاکھ 65 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ اس میں صحراء النوبہ (سودان)، الصحراء الغربیہ (مصر)، الصحراء اللیبیہ، الصحراء الشرقیہ (مصر)، العرق الشرقی الکبیر و العرق الغربی الکبیر (الجزائر)، صحراء اغیدی اور عرق الشیخ نامی ذیلی ریگستان واقع ہیں۔ صحراء اغیدی یا ایجیدی موریتانیا اور الجزائر دونوں میں پھیلا ہوا ہے۔

موریتانیا میں قحط

ملک کی آب و ہوا خشک اور گرم ہونے کے باعث یہاں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سارا سارا سال بارش نہیں ہوتی۔ ملک کو کئی بار خشک سالی کے باعث قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ 74-1970ء کے دوران میں موریتانیا میں قحط سے بڑی ہلاکتیں ہوئی تھیں۔

عالمی اداروں میں شرکت

موریتانیا جامعۃ الدول العربیہ (عرب لیگ)، اقوام متحدہ، افریقی یونین، غیر جانبدار تحریک، اتحاد دول المغرب العربی اور المؤتمر الاسلامی کا رکن ہے۔ موریتانیا کے صدر مختار الدادا دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس منعقدہ لاہور (فروری 1974ء) میں شریک ہوئے تھے۔

فری اسلامی تعلیم کے لیے

سکالرشپ برائے سعودی یونیورسٹیز

وہ حضرات جنھوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیۃ کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر 23 سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر 30 سال سے زائد نہ ہو۔

رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی) سابق مترجم مواجہ شریف، مسجد نبوی، مدینہ منور، چیئرمین ادارہ اشاعت اسلام لاہور، رابطہ:

0306-4476055

ایک پیغام

مذہبی راہنماؤں کے نام



ساجد الرحمن بہاولپوری
ریسرچ فیلو دارالسلام

نواز شریف میں بے شمار خامیاں ہوں گی اور ہر انسان میں ہوتی ہیں مگر ان کی ایک بات مجھے، بلکہ ہر شخص کو بہت بھائی ہے اور من کو شاد کر دیا ہے، وہ ہے ان کی وسعتِ ظرفی، چاہے وہ ملک وقوم کی خدمت کے جذبے سے ہو، جیسا کہ ہمارا حسنِ ظن ہے یا کسی اور مقصد کے لیے ہو۔ ان کی مثال میں اس لیے دے رہا ہوں کہ اگر ایک دنیا دار شخص نیک جذبے سے اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے تو دین دار لوگ دین اسلام کے فروغ کے لیے یہ قربانی دینے سے کیوں گریزاں ہیں؟ ہمارے لیے تو اس سے بہت بڑی مثال نبی کریم ﷺ کا عملی نمونہ ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم ڈھانے والے، انھیں 3 سال تک شعب ابی طالب میں بھوکا پیاسا رکھنے والے، آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنانے والے، آپ کو گھر سے بے گھر اور اپنوں سے بیگانہ کرنے والے، بدر، احد اور احزاب میں جان و مال کے پیاسے بن کر آنے والے مجرم بن کر سامنے کھڑے ہیں۔ نہ جانے ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ مگر نبی مکرم ﷺ نے فروغِ اسلام کے لیے اپنے دشمنوں تک کو معاف کر دیا۔ (الرحیق المختوم: 385/1)

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وحشی اور ان کا انگ انگ کاٹ کر کلیجہ چبا جانے والی ہند زوجہ ابو سفیان کے مظالم سے کون آگاہ نہیں؟ مگر نبی کریم ﷺ میں تو فروغ اسلام کا جذبہ اس قدر فراواں تھا کہ اس کے لیے اپنی جان بھی جوکھوں میں ڈالنے کے لیے تیار تھے، جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ ''(اے نبی!) اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دینے والے ہیں۔'' (الشعرآء 3:26)

اگر اسلام کے فروغ کے لیے اپنے دشمنوں کو معاف کیا جاسکتا ہے اور ظلم کے پہاڑ ڈھا کر جینا حرام کرنے والوں کو اپنے دامن شفقت میں جگہ دی جاسکتی ہے تو اتحادِ امتِ مسلمہ کے لیے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے متعلق نرم گوشہ اختیار کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

نواز شریف اور عمران خان کا اختلاف کفر و اسلام کا مسئلہ نہیں لیکن اس بات کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں بہت بڑے سیاسی حریف تھے۔ عمران خان کی طرف سے شدید جملے اور نازیبا الفاظ ہم نے خود سنے اور اخباروں میں بھی پڑھے۔ پھر شہباز شریف الیکشن سے قبل ان کی عیادت کے لیے گئے تو ان کے کارکنوں نے مخالفانہ نعرے بازی کی اور عمران خان نے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ ان کے اہل خانہ سے مل کر واپس آگئے، حالانکہ عین اسی وقت عمران خان نے نجم سیٹھی اور رحمٰن ملک سے ملاقات کی۔ اس سب کچھ کے باوجود عمران خان کے زخمی ہونے پر نواز شریف کا اپنی انتخابی مہم ملتوی کرنا، شہباز شریف کا عیادت کے لیے جانا، انتخابات میں چار، پانچ گنا زیادہ کامیابی کے باوجود سب سے پہلے اپنے حریفوں کی تمام نازیبا حرکات کو معاف کرنا، پھر ملک وقوم کی فلاح و بہبود کے لیے سب کو مل کر کام کرنے کی دعوت دینا اور نواز شریف کا حکومت سازی میں کسی سیاسی پارٹی کا محتاج نہ ہونے کے باوجود صلح کے لیے عمران خان کے پاس بذات خود چل کر جانا جہاں ہماری قوم کے



لیے خوش آئند بات ہے، وہاں ہمارے مذہبی لیڈروں کے لیے ایک لمحۂ فکریہ بھی ہے کہ اگر وہ لوگ ملک وقوم کی بھلائی کے لیے اپنی ''مَیں'' مٹا سکتے ہیں تو ہمارے مذہبی رہنما غیر مسلموں کی یلغار کے مقابلے میں متحد ہوکر اسلام کا دفاع کرنے کے بجائے فقط اپنی امارت کو ترجیح کیوں دیتے ہیں؟

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان امت کے اندرونی اختلافات اور عدم اتحاد کی وجہ سے پہنچ رہا ہے۔

اگر امارت و وزارت اتنی ہی عزیز ہے کہ اس کے لیے ایک ایک جماعت کو کئی کئی دھڑوں میں تقسیم کیا ہوا ہے تو پیپلز پارٹی اور ق لیگ اگر اپنے ذاتی اور گھٹیا مقاصد کی خاطر اتحاد کرنے کے لیے نائب وزیراعظم کا عہدہ بنا سکتے ہیں تو ہمارے مذہبی جماعتوں کے امراء کے مقام ومرتبے (Status) کو برقرار رکھنے کے لیے ایسی حکمت عملی کیوں نہیں اپنائی جاسکتی؟ تاکہ اقتدار کے خواہاں لوگوں کو اقتدار بھی مل جائے اور قرآن وسنت پر مسلمانوں کا اتحاد بھی ہو جائے۔ آخر وہ ان آیات قرآنی پر غور کیوں نہیں کرتے: ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور اللہ کی رسی (قرآن اور حدیث) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقوں میں نہ بٹو۔'' (آل عمران 3:103)

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ ''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' (الأنفال 46:8) ان آیات پر کون عمل کرے گا؟ کیا وہ کسی اور زمانے کے مسلمان ہوں گے؟ اگر رہنمایانِ امت باہم اتحاد نہیں کرتے تو انھیں سوچنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق آپ کی امت کے 73 فرقوں میں سے ایک جماعت جنت میں جائے گی، باقی 72 جہنم میں جائیں گی۔ پھر اِن جماعتوں میں سے جنت میں جانے والی ایک جماعت کونسی ہے اور جہنم میں جانے والی 72 جماعتیں کونسی ہیں؟ اگر ساری جماعتیں اور گروہ جنت میں ہی جائیں گے جیسا کہ ہر کوئی سمجھتا ہے تو باقی جہنم میں جانے والی 72 جماعتیں کیا یہود ونصاریٰ سے ہوں گی؟ اگر ایسا ہوگا تو پھر آپ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہو گا کہ میری امت کے 73 گروہوں میں سے ایک جنت میں اور 72 جہنم میں جائیں گے؟

(سنن أبی داود: 4596)

مذہبی رہنماؤں سے ہماری گزارش ہے کہ اپنے مناصب سے زیادہ اسلام کے دفاع کی طرف توجہ دیں اور عوام بھی اس پر غور کریں کہ ہماری ہدایت اور نجات کے لیے قرآن اور حدیث کافی ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كَتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِه» ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم انھیں مضبوطی سے پکڑے رکھو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: ایک اللہ کی کتاب، دوسری اس کے رسول کی سنت۔'' (الموطأ للامام مالك، حدیث: 3388) اس لیے گروہوں اور فرقوں میں بٹنے کے بجائے صرف قرآن وحدیث پر اتحاد کریں جو کہ بالکل مکمل ہیں۔ (المآئدة 3:5) قیامت تک ہر قسم کی آمیزش اور تحریف سے محفوظ ہیں۔ (الحجر 9:15) اور ان میں کسی قسم کی کمی یا اضافے کی گنجائش نہیں ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث: 46)

جناب نواز شریف صاحب سے گزارش

سب سے پہلے تو ہم آپ کی خدمت میں آپ کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اللہ عزوجل سے دعا گو ہیں کہ رب ذوالجلال آپ کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا کر دنیا اور آخرت میں کامرانیوں اور خوشیوں سے نوازے۔ آپ کے لیے مقامِ شکر ہے کہ اللہ عزوجل آپ کو پاکستان میں بار بار اقتدار سے نواز رہا ہے۔ اس میں یقیناً محبّ اسلام اور محبّ وطن عوام کی بھرپور کوششیں اور دعائیں بھی آپ کے شامل حال رہیں جو انھوں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر کیں۔ شاید اللہ آپ کو بار بار یہ موقع اس لیے دے رہا ہے کہ جس وعدے کے ذریعے ہم نے پاکستان حاصل کیا تھا، وہ وعدہ پورا کرنے کی آپ بھرپور سعی کریں۔ آپ کے ساتھ قوم کے بھرپور تعاون کی وجہ بھی یہ توقعات ہیں کہ آپ پاکستان میں نظریۂ پاکستان، یعنی اسلامی نظریہ کا نفاذ کریں گے جس کی بنیاد پر پاکستان بنایا گیا ہے۔ (ان شاء اللہ)

ملک کے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ ایک سب سے بڑا مسئلہ یہاں اسلامی نظام کا نفاذ



ہے۔ اور اسلامی نظام وہ ہے جو ہمیں نبی کریم ﷺ نے دیا اور وہ قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ''اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔'' (الحج 40:22) اور ساتھ ہی فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ ''وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکاۃ دیں گے، اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔'' (الحج 41:22)

میاں صاحب! آپ اگر حالات ناسازگار ہونے کے باوجود پاکستان میں اسلام کا نظام نافذ کریں تو یقیناً اللہ آپ کی بھی اسی طرح مدد کرے گا جس طرح اس نے اپنے وعدے کے مطابق قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی مدد کی۔ آپ کا شمار بھی ان عظیم لوگوں میں ہو جائے گا جن کا ذکر کرتے ہوئے ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے، جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز، محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ۔ اور آخرت کی کامیابی تو یقیناً سب سے بڑھ کر ہے۔ اس طرح مسلمانوں کا قرآن وسنت پر اتحاد بھی ہو جائے گا جس کا کریڈٹ آپ کو جائے گا۔ پاکستان کی عمر کے 66 سال پاکستانیوں نے غلامی، مہنگائی، بدامنی و بے سکونی، قتل و غارت، کدورت و عداوت، بھوک اور افلاس اور ایک دوسرے کے دست و گریبان کے درپے ہوکر گزارے۔ پاکستان ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ موجودہ پاکستان قرضوں کے بھاری بوجھ میں دب چکا ہے۔ کراچی اور بلوچستان کی خونریزی اور ڈرون حملوں کی زد میں تباہ و برباد ہونے والے علاقوں کی حالت دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ غریب غربت اور مہنگائی کی چکی میں پس رہا ہے۔ ہر چوک اور چوراہے میں پاکستانی بچے، بوڑھے، جوان، مرد اور عورتیں ہاتھوں میں کشکول تھامے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں اور اربوں کھربوں کی کرپشن کرنے والے لندن، امریکہ اور دبئی کے بینکوں میں پاکستانی دولت کے ڈھیر لگا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں کیسے اور کیا ہے؟

ان دنوں اہل وطن کا نہ جان و مال محفوظ ہے، نہ عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم نے جو وعدہ کر کے پاکستان حاصل کیا تھا، وہ وعدہ وفا نہیں کیا۔ اس دور کو دیکھیں جب لوگ ہاتھوں میں زکاۃ کا مال پکڑے در در پہ جاتے مگر کوئی زکاۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ صنعاء سے حضرموت تک زیورات سے لدی اکیلی عورت بیابان سے گزرتی ہوئی کئی سو میلوں کا سفر کرتی مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہوتا تھا۔

خلیفۂ وقت اپنا تن ڈھانپنے کے لیے پہنے ہوئے دو کپڑوں کے لیے بھی جواب دہ ہوتا تھا۔ انسان تو انسان فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھوکا مرنے پر بھی خلیفہ کو اللہ کے ہاں جواب دہی کا خوف ہوتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب کفر کے سرغنوں کو مسلمانوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ جب سترہ، سترہ پیوند لگا لباس پہننے والے خلیفہ کے سامنے قیصر و کسریٰ کے ایوان لرز جاتے تھے۔ جب دہشت گرد نصاریٰ و یہود مسلمانوں کا نام سن کر کانپتے تھے۔ آج کئی بے گناہوں کی جان لینے والا ملعون امریکی ریمنڈ ڈیوس باعزت بری ہو جاتا ہے اور کوئی بھی جرم نہ کرنے والی عافیہ صدیقی امریکہ میں زندگی بھر کے لیے پابند سلاسل کسی محمد بن قاسم کی منتظر بیٹھی ہے۔ کئی معصوم جانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والا امریکہ ہیرو بن گیا اور سسک سسک کر مرنے والے مسلمان دہشت گرد قرار پائے۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے پاکستان کو اپنے اس درخشاں ماضی میں ڈھالیں جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں! نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

نواز شریف صاحب! آپ کوشش کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ آپ سے یہ عظیم کام لے لے۔

﴿وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ ''اللہ کے لیے یہ کام بالکل مشکل نہیں ہے۔'' ماعلینا الا البلاغ



چاول

تاریخ، افادیت اور استعمال

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ رب العزت نے حضرت انسان کو بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ان عطا کردہ نعمتوں میں غذائی ضروریات بڑی اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ہمیں زندہ رہنے کے لیے جس توانائی کی ضرورت ہے وہ غذا سے ہی حاصل ہوتی ہے۔غذا میں مکئی کے بعد چاول آتا ہے جس کو دنیا بطور خوراک استعمال کرتی ہے۔ پاکستانی گندم زیادہ کھاتے ہیں لیکن اس کا نمبر غذائی استعمال میں مکئی اور چاول کے بعد آتا ہے۔ چاول کا تعلق گھاس کے خاندان ''Poaceae'' سے ہے جبکہ ''Oryza sativa'' اس کا سائنسی نام ہے۔ بنیادی طور پر اس کا تعلق چین سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کاشت لگ بھگ 8200 سے 13500 برس قبل چین کی وادی سے ہوئی۔ جب پہلی مرتبہ انسان نے اس کی غذائی اہمیت کو سمجھتے ہوئے کاشت کا آغاز کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ تحقیقات نے اس کی کاشت اور اس کی اقسام و غذائی خصوصیات میں اضافہ کر دیا۔

چاول کا پودا پانی میں لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بیج سے نکلنے والی پنیری کھیت میں پانی کھڑا کر کے لگائی جاتی ہے۔ بیج سے جب پودے باہر نکل آتے ہیں تو چند دنوں بعد انھیں کھیت میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ پنیری کی کھیت میں منتقلی صبر آزما کام ہے۔ سر پہ سورج چمک رہا ہو، کھیت میں پانی کھڑا ہو اور کھڑے پانی میں جھک کر ایک ایک پودا کاشت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ چاول کا پودا Annual Plant کہلاتا ہے۔ یہ سال میں ایک مرتبہ پھول دیتا ہے۔ ایک عام پودا 1 سے 1.8 میٹر لمبا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے پتے 50 سے 100 سینٹی میٹر لمبے اور 2 سے 2.5 سینٹی میٹر چوڑے ہوتے ہیں۔

لگ بھگ 70 سے 80 دنوں میں ان پودوں پر پھول دکھائی دینے لگتے ہیں۔ تنے پر پھولوں کی ترتیب کو انفلوری سینس (Inflorescence) کہلاتا ہے۔ یہ پھول گچھے کی صورت میں لٹکے ہوتے ہیں۔ اس انفلوری سینس کی لمبائی 30 سے 50 سینٹی میٹر تک ہوتی ہے۔ لگ بھگ 110 سے 130 دنوں میں پھولوں کی جگہ دانے بن جاتے ہیں۔ یہ دانے چاول کے دانے یا بیج ہیں جو ہم بطور غذا استعمال کرتے ہیں۔ ایک عام چاول کا دانہ 5 سے 12 ملی میٹر لمبا اور 2 سے 3 ملی میٹر موٹا ہوتا ہے۔ چاول کے دانے کو سائنسی لحاظ سے Caryopsis کہا جاتا ہے۔ جبکہ ان بیجوں سے اٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو کو Aroma کہتے ہیں۔ پاکستانی چاول اپنی بناوٹ اور خوشبو کی وجہ سے دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ بھارت کے تاجر دوبئی میں پاکستانی چاولوں کو بھارتی لیبل لگا کر فروخت کرتے ہیں اور کثیر زرمبادلہ کماتے ہیں۔

چاول غذائی اعتبار سے یقیناً بڑا اہم ہے اور دنیا کی کثیر آبادی کے پیٹ کا جہنم بھرنے کا ذمہ دار بھی ہے۔ ہمارے وطن میں اس کی ڈشیں بڑی مقبول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر خوشی اور غم کے موقع پر چاول پکائے جاتے ہیں اور کھلائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ان سے



بریانی، پلاؤ، دال چاول، کھیر، فیرنی وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ خوش ذائقہ ڈشیں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں چاولوں سے تیار شدہ کھانوں کی بڑی مانگ ہے۔ پھران کی پکوائی بھی آسان ہے اور کم وقت میں تیار ہوجاتے ہیں۔ چاول کسی بھی انداز میں پکائے جائیں۔ ان کی خوشبو، رنگت اور ذائقہ ہر ایک کو بھاتا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر زردہ بھی چاولوں کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے پھر گڑ والے چاول بھی ہمارے دیہاتوں میں بڑے شوق سے کھائے جاتے ہیں پھر چاولوں کی یہ بھی خوبی ہے کہ یہ جلد ہضم ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے مریضوں کو کھچڑی پکا کر کھلائی جاتی ہے۔ اکثر پیٹ کے امراض میں مبتلا افراد کو روٹی کے بجائے مونگ کی دال کے ہمراہ چاولوں کی کھچڑی پیش کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ معدے اور آنتوں پر وزن نہیں ڈالتے اور خراب ہاضمے اور پیٹ کی خرابی کے باوجود کھائے بھی جاتے ہیں اور بآسانی ہضم کر لیے جاتے ہیں۔ بچے بھی چاولوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاید ہی کوئی بچوں والا گھر ہو جہاں روزانہ یا ہفتے میں چاول نہ پکتے ہوں۔

دنیا بھر میں چاولوں کی مدد سے 20 فی صد غذائی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ جبکہ گندم 19 فی صد غذائی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ چاولوں کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ غذائی نکتۂ نظر سے بھی اہم ہیں۔ ان میں نشاستہ، یعنی کاربوہائیڈریٹس بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے شوگر کے مریضوں کو چاول کھانے سے منع کیا جاتا ہے۔ البتہ صحت مند افراد کے لیے چاول بڑی اہم غذائی جنس ہے۔ کیونکہ کاربوہائیڈریٹس کے علاوہ ان میں چکنائیاں، لحمیات، پانی بھی موجود ہوتا ہے۔ چاولوں میں وٹامن بی خوب موجود ہوتا ہے۔ جس میں وٹامن B (Tniamine)، B_2 (Riboflavin)، B_3 (Niacin) B_5 (Pentothnic Acid) اور وٹامن B_6 شامل ہیں۔ یہ وٹامن جلد (Skin) کی خوبصورتی کے لیے اہم ہیں۔ اس کے علاوہ جسم میں ہونے والی کیمیائی تعاملات کی شرح رفتار پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیلشیم بھی ان میں موجود ہوتا ہے۔

اس لیے کچے چاول کھانے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ گردے کے امراض خاص کر پتھری میں مبتلا افراد کو چاول نہیں کھانے چاہییں۔ چاول میں آئرن، میگنیشم، میگنیز، فاسفورس، پوٹاشیم، زنک کاپر وغیرہ بھی قدرتی طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان نمکیات و اجزاء کی ہمارے جسم کو ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

چاول میں وٹامن A نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ممالک جہاں چاول بنیادی غذا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں وٹامن A کی کمی ہوسکتی ہے۔ حال ہی میں بائیوٹیکنالوجی کی مدد سے چاول کی ایسی قسم تیار کی گئی ہے جس کو کھانے سے کروٹینز (Beta Carotenes) جسم میں حاصل ہوتے ہیں۔ بیٹا کروٹینز وٹامن A بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے سائنسدانوں نے چاول کی اس قسم کا نام گولڈن رائس (Golden Rice) رکھا ہے۔

کئی ممالک کے معاشی حالات میں اس فصل کا بڑا اہم کردار ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ چاول چین میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھارت، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، ویت نام، تھائی لینڈ، برما، فلپائن، برازیل وغیرہ کا نمبر آتا ہے۔ چاول پیدا کرنے والے ممالک میں پیداواری لحاظ سے دنیا میں پاکستان کا 14 واں نمبر ہے۔ تاہم پاکستان میں پیدا ہونے والی اقسام اپنے دانے کے سائز اور خوشبو کے اعتبار سے بہترین شمار ہوتی ہیں۔

اسی طرح چاول کھانے والے ممالک میں بھی پاکستان کا نمبر 14 واں ہے۔ چین، بھارت، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، فلپائن، برازیل، ویت نام، کمبوڈیا، کوریا وغیرہ کا شمار بھی زیادہ چاول کھانے والے ممالک میں ہوتا ہے۔ جہاں چاول کے ساتھ دال، گوشت، مچھلی وغیرہ شامل کر کے اس کی غذائیت اور ذائقے میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

چاول اگر فرج میں رکھے ہوں یا باسی ہوں تو کھانے میں احتیاط کرنا چاہیے کیونکہ باسی چاولوں میں ''Bacillus Cereus'' نامی بیکٹر یا زہریلے مادے پیدا کر دیتا ہے۔ یہ زہریلے مادے چاول گرم کرنے پر بھی ختم نہیں ہوتے اور پیٹ خراب کر دیتے ہیں۔ اس لیے باسی چاول کھانے سے گریز کرنا بہتر ہے۔ چاول کی فصل پر بھی کئی طرح کے حشرات بیکٹر یا اور فنجائی حملہ کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیشہ اچھی اقسام کاشت کرنا چاہییں۔

امریکہ کی افغانستان سے واپسی کے دن قریب آچکے ہیں۔ ادھر پاکستان میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت قائم ہونے جارہی ہے۔ پاک فوج کے سربراہ جنرل کیانی نے نواز شریف کے ساتھ ملاقات میں اس بات کا اشارہ دے دیا تھا کہ امریکی واپسی قبل از وقت بھی ہوسکتی ہے۔ اس وقت چونکہ خطے میں یہ سب سے اہم موضوع ہے اس لیے پاک فوج کی قیادت اور سیاسی قیادت کے درمیان ان معاملات میں ہم آہنگی انتہائی ضروری ہے۔ امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ جس وقت افغانستان کو آگ میں جھونکا تھا اس وقت اس کا خیال تھا کہ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد افغانستان میں جاری ہونے والی مزاحمت بھی ایک دن دم توڑ دے گی لیکن دن گنتے گنتے بات برسوں تک آگئی اور افغان مزاحمت اپنی تاریخی روایات کے مطابق کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئی اور آج امریکہ نامراد ہوکر افغانستان سے نکلنے کے لیے پر تول رہا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ پاکستان میں انتخابات ہوچکے ہیں۔ ہمارا موضوع بھی پاکستانی انتخابات اور اس کے نتائج کے طور پر سامنے آنے والے حالات ہیں۔ اب سیاسی جماعتوں کی جانب سے ایک دوسری پر الزامات کا سلسلہ جاری ہے۔ کسی ایک جماعت کا نام نہیں لیا جا سکتا جس نے دھاندلی کا الزام نہ لگایا ہو یا اس پر دھاندلی کا الزام نہ لگا ہو، اگر سب کے الزامات کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ملک کے کسی بھی ایک حلقہ میں منصفانہ انتخابات نہیں ہوئے بلکہ جو بھی جیتا وہ دھاندلی کی وجہ سے جیتا ہے اور جو بھی ہارا ہے اسے دھاندلی کے ذریعے ہرایا گیا ہے۔ سب سے زیادہ شور شرابا تحریک انصاف کی جانب سے کیا جارہا ہے۔ اس شور شرابے کو فافن کے بوگس جائزہ نے تقویت پہنچائی جس میں دعویٰ کیا گیا کہ بعض پولنگ سٹیشنوں پر سو فیصد اور بعض پر سو فیصد سے بھی زائد پولنگ ہوئی۔ چھان بین پر انکشاف ہوا کہ فافن کے رضا کاروں نے قومی وصوبائی اسمبلی کے بیلٹ پیپرز کو اکٹھا شمار کرلیا، مثلاً ایک پولنگ سٹیشن پر اگر دو سو افراد کو ایک قومی اسمبلی کے لیے اور دوسری صوبائی اسمبلی کے لیے دو دو بیلٹ پیپرز جاری کیے گئے تو اس طرح یہ دونوں کی تعداد چار سو بنتی ہے جبکہ اس حلقہ میں کل ووٹرز کی تعداد تین سو تھی، ان میں سے سو ووٹرز نے رائے دہی میں حصہ ہی نہیں لیا مگر بیلٹ پیپرز چار سو جاری ہوئے۔ فافن کے ناتجربہ کار رضا کاروں نے جنھیں چار سو ووٹر سمجھا۔ اپنی غلطی پر فافن کے سربراہ ماجد رضوی نے قوم سے معافی بھی مانگ لی ہے۔ اس کے خلاف عدالتوں میں مقدمات بھی درج ہوگئے ہیں۔ اسی طرح گیلپ پاکستان کے سروے پر بہت ناک بھوں چڑھائی گئی، اسے جانبدارانہ قرار دیا گیا بلکہ بعض نے تو اس کے سربراہ پروفیسر اعجاز شفیع گیلانی پر تبرا شروع کردیا، حالانکہ سائنسی بنیادوں پر سروے کرنے والے اس ادارے کے نتائج کی توثیق 11 مئی کے انتخابات نے کردی ہے۔



احمد بلال محبوب کے پلڈاٹ نے بھی جو انتخابات کے حوالے سے پیشین گوئی کی وہ کم و بیش پوری ہوئی ہے۔ تحریک انصاف اور پیپلزپارٹی کے بعض دانشوروں نے تو اعجاز گیلانی کے شریف فیملی سے تعلقات بھی تلاش کر لیے۔ مان لیا گیلپ پاکستان اور پلڈاٹ ڈنڈی مار سکتے ہیں (عملاً ایسا نہیں ہے) مگر کیا یورپی یونین بھی شریف برادران کے زیر اثر ہے، ان کے مبصرین نے گھر بیٹھے نہیں بلکہ پاکستان کے طول و عرض کے دورے کر کے نتائج اخذ کیے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ حالیہ الیکشن میں 90 فیصد شفاف الیکشن ہوئے، صرف دس فیصد میں بے قاعدگیاں اور دھاندلیاں وغیرہ دیکھی گئیں جن کا زیادہ تر تعلق کراچی کے پولنگ سٹیشنوں سے ہے۔ کراچی کے حلقہ این اے 250 میں 19 مئی کو ہونے والی دوبارہ پولنگ کا متحدہ قومی موومنٹ نے بائیکاٹ کر دیا، وہ پورے حلقہ میں دوبارہ الیکشن کرانا چاہتے تھے جسے الیکشن کمیشن نے منظور نہیں کیا صرف چند پولنگ سٹیشنوں پر ہی دوبارہ پولنگ ہوئی اور تحریک انصاف کے عارف علوی اور 2 صوبائی امیدوار کامیاب ٹھہرے۔ کئی حلقوں میں دوبارہ گنتی کے مطالبے ہو رہے ہیں لیکن الیکشن ٹریبونل کے ایک سابق رکن جسٹس (ر) سعیدالرحمٰن کے بقول دو چار سو ووٹوں کا فرق ہو تو دوبارہ گنتی بسا اوقات فائدہ مند ہوتی ہے لیکن اگر فرق ہزاروں ووٹوں کا ہو تو پھر دوبارہ گنتی سے عموماً نتائج حسب سابق ہی رہتے ہیں۔ دوبارہ گنتی ہونے پر چوہدری نثار ایک صوبائی نشست پر تھوڑے ووٹوں سے ہار گئے ہیں۔ اب جبکہ انتخابات ہوگئے ہیں۔عوام نے مسلم لیگ (ن) کو ملک بھر میں مینڈیٹ دے دیا ہے، وفاق اور چاروں صوبوں میں مسلم لیگ (ن) کو نمائندگی حاصل ہوگئی ہے، تحریک انصاف کو خیبر پی کے میں اور پیپلزپارٹی کو سندھ میں مینڈیٹ مل گیا ہے تو بہتر ہوگا کہ الزامات کے چکر سے نکل کر اپنے اپنے مینڈیٹ کے مطابق عوام کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک سندھ کے عوام کا تعلق ہے ان کے حوصلے کی داد دینی چاہیے کہ وہ دوبارہ ان ہی جماعتوں کو اقتدار کے سنگھاسن پر لے آئے ہیں جو صوبے میں ان کے سماجی، معاشی، اقتصادی، تجارتی اور امن و امان کے مسائل حل کرنے میں بری طرح ناکام رہے، حالانکہ ان کے پاس متبادل آپشنز بھی تھے، مثلاً مسلم لیگ (فنکشنل) نیشنل پیپلزپارٹی، قوم پرست جماعتیں، مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی، تحریک انصاف، سنی تحریک، جمعیت علمائے اسلام (ف)، جمعیت علمائے پاکستان (نورانی) وغیرہ، مگر کہا جاتا ہے کہ سندھ میں وڈیرہ شاہی سسٹم کی وجہ سے دیہی آبادی کے لوگ اپنی مرضی کی بجائے وڈیرہ سائیں کے ''نادر شاہی'' حکم کے مطابق رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں سیاسی جماعتوں کی جانب سے دھاندلیوں کے الزامات بھی سب سے زیادہ ہیں اور ایک بہت واضح رائے ہے کہ اگر پورے سندھ میں فوج کی مکمل نگرانی میں دوبارہ انتخابات کرائے جائیں تو حیرت انگیز نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ بہرحال مسلم لیگ (ن) کو سب سے بھاری مینڈیٹ ملا ہے اس لیے اس کی ذمہ داری بھی بہت بھاری ہے۔ عوام نے یہ مینڈیٹ کچھ توقعات وابستہ کر کے ہی دیا ہے۔ اس لیے مسلم لیگ (ن) کی اولین ترجیح بجلی اور معاشی بحران کا خاتمہ ہونی چاہیے اور امید کرنی چاہیے کہ ایسا ہی کیا جائے گا۔ بجلی اور گیس کی ظالمانہ لوڈشیڈنگ، کرپشن، دہشت گردی اور ناقابل برداشت مہنگائی نے پیپلزپارٹی کی حکومت کا خاتمہ ہی نہیں کیا بلکہ خود پیپلزپارٹی کو بھی قومی پارٹی کے اعزاز سے محروم کر کے رکھ دیا ہے۔ (ن) لیگ نے اپنی حکومت کے پہلے سو دنوں کے لیے جو ایجنڈا تشکیل دیا ہے، اس کا اعلان میاں نواز شریف بطور وزیراعظم حلف اٹھانے کے بعد قوم سے اپنے پہلے خطاب میں کریں گے۔ مسلم لیگ (ن) کی منشور کمیٹی کے سربراہ سرتاج عزیز نے میاں نواز شریف کو معاشی صورتحال، بجلی کے بحران، بیرونی سرمایہ کاری اور امن و امان کی صورتحال کے بارے بریفنگ دی۔

جہاں تک ملک میں سرکاری محکموں کی صورتحال ہے یہاں کام چوری اور کرپشن اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ معمولی کام کے لیے بھی لوگوں کو کئی کئی بار چکر لگانے پڑتے ہیں۔ رشوت ستانی کا چلن عام ہوگیا ہے۔ یہ صورتحال کسی بھی حکومت کی گڈگورننس پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے اور عوام الناس کو حکومت سے بیزار کرتی ہے۔ اس صورتحال کے خاتمہ کے لیے نواز شریف حکومت کو سخت اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں

بڑے افسروں سے زیادہ چھوٹے اہلکاروں پر نظر رکھنی ہوگی کیونکہ عوام کے لیے براہ راست پریشانی کا باعث یہی بنتے ہیں۔ جس محکمے، ادارے یا شعبے میں چھوٹے اہلکار درست کام کریں وہاں عوام کی شکایات بھی کم ہوتی ہیں۔ جو لوگ کرپشن کے بڑے کیسوں میں ملوث ہیں اور حکمرانوں کی سرپرستی کے باعث وہ جرم کر کے بھی دندناتے پھر رہے ہوتے ہیں ان پر بھی ہاتھ ڈالنا اولین ترجیحات میں شامل ہونا چاہیے۔ میاں نواز شریف کو حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد قومی بجٹ پیش کرنے کا مرحلہ درپیش ہوگا۔ اتنی کم مدت میں بڑی تبدیلیاں شاید ممکن نہ ہوں، پہلے سے جس بجٹ کی تیاری جاری ہے اس کا ہی اعلان کیا جائے گا، تاہم اس سلسلے میں اسحاق ڈار کی قیادت میں مسلم لیگ (ن) کے اقتصادی ماہرین نے کام شروع کر دیا ہے اور یقیناً مسلم لیگ (ن) نے پہلے سودن کی ترجیحات کا تعین کیا ہے۔ انھیں قومی بجٹ کے ساتھ ساتھ پنجاب اور بلوچستان کے بجٹوں میں بھی سمونے کی کوشش کی جائے گی۔ تاہم مسلم لیگ (ن) کا اصل بجٹ آئندہ سال ہوگا جب اس کی حکومت کو ایک سال مکمل ہو چکا ہوگا اور اسے سارے معاملات کا ادراک بھی ہو چکا ہوگا۔ جہاں تک حکومتی معاملات کو سمجھنے اور چلانے کا تعلق ہے تو یہ میاں نواز شریف کے لیے کوئی نیا تجربہ نہیں ہے، وہ ملک کے دو مرتبہ وزیراعظم رہ چکے ہیں۔ انھیں سادہ زبان میں اندر باہر کا سب علم ہے۔ انھیں یہ بھی علم ہے کہ ان کے پاس حکومتی اور ملکی وسائل کتنے ہیں اور انھیں کس طرح بروئے کار لانا ہے۔ اس سلسلے میں کس جانب سے اور کس قسم کی رکاوٹیں حائل ہو سکتی ہیں، انھیں بھی آنکھیں پوری طرح کھول کر رکھنی ہوں گی۔ کہا جاتا ہے جو مسئلہ آج تک الزام اور طعنے کی صورت میں ان کا تعاقب کر رہا ہے وہ ڈالرز کو منجمد کرنے کا ہے، اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت کے وزیر خزانہ سرتاج عزیز نے وزیراعظم کے کاریڈور میں راہ چلتے میاں نواز شریف سے کہا کہ ایٹمی دھماکے کے بعد امریکی پابندیوں کے باعث لوگ اپنے اکاؤنٹس سے ڈالر نکلوا لیں گے اور اس طرح ادائیگیوں کا مسئلہ بن جائے گا۔ ان کا خیال تھا کہ ڈالر اکاؤنٹس منجمد کر دیے جائیں اور ان لوگوں کو مارکیٹ ریٹ کے مطابق روپے دے دیے جائیں۔ اس بات پر کسی باقاعدہ اجلاس میں غور و خوض نہیں ہوا تھا۔ میاں نواز شریف اس فیصلے کے مضمرات کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے اور ڈالرز اکاؤنٹس منجمد کر دیے گئے۔ یہ اگر درست ہے تو میاں صاحب کو آئندہ راہ چلتے فیصلوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہر فیصلہ اہلیت رکھنے والے لوگوں کی مشاورت اور سوچ بچار کے بعد کرنا چاہیے۔ یقین رکھنا چاہیے کہ میاں نواز شریف نے ماضی سے سبق سیکھا ہے جس کا وہ مظاہرہ کر بھی رہے ہیں۔

میاں نواز شریف کی جانب سے تمام سیاسی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کا فیصلہ یقیناً ملک میں سیاسی فضا کو محاذ آرائی اور کھینچا تانی سے پاک رکھنے میں معاونت کرے گا، مگر انھیں مسلم لیگی دھڑوں کو ایک کرنے کی جانب بھی توجہ دینی چاہیے۔ جہاں تک ان دھڑوں کا تعلق ہے الگ الگ رہ کر انھوں نے ملکی سیاست میں کون سے تاریخی کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان میں سے بعض پارلیمنٹ میں رہے اور بعض پارلیمنٹ سے باہر رہے تو اس سے ملکی سیاست کی صحت پر کیا اثر پڑا ہے۔

چمنستان سیاست میں مسلم لیگ (ہم خیال) کے جماعتی وجود نے کیسے گل بوٹے سجائے ہیں۔ بار بار سوچنے کے باوجود بری ہوئی بدلی سے زیادہ سوکھا جواب سامنے آیا ہے۔ گستاخی معاف، سوکھے دھانوں جیسا یہ وجود اپنے لیے مفید نہ دوسروں کے لیے سود مند اور نہ ہی مستقبل میں کسی فصل بہاری کے روشن امکانات کا حامل، پھر بھلے لوگو، کس بات کی الگ شناخت۔ کہا جاتا ہے کہ ہم خیال گروپ نے چودھریوں (شجاعت حسین+ پرویز الٰہی) کی بے اصولیوں کے بطن سے جنم لیا تھا۔ اس میں شامل بعض حضرات (ق) لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے، اس لیے کسی دوسری جماعت میں شمولیت رکنیت سے محرومی کا باعث بن جاتی لیکن 2013ء میں یہ آئینی مجبوری زنجیر پا نہیں تھی۔ سیدھے سبھاؤ (ن) لیگ میں شامل ہوتے اور سیاسی میدان میں بہتر کردار ادا کر سکتے۔ جس چیز نے ہماری سوچ کے دریچے وا کیے وہ یہ کہ اس گروپ میں شامل تمام افراد بہت باصلاحیت ہیں۔ حامد ناصر چٹھہ، سلیم سیف اللہ، ہمایوں اختر اور دیگر۔ ہمایوں اختر شائستہ مزاج انسان ہیں، ان سے ایک قدرے تعلق خاطر بھی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ''ہم خیالی'' سیاست کے محدود دائرے میں ان کی سیاسی صلاحیتیں زنگ آلود ہو رہی ہیں اور ستم بالائے ستم خود کو مزید محدود کرنے کے لیے حامد

ناصر چٹھہ نے جناح لیگ ''بحال'' کر لی ہے۔ پیر پگاڑا کی فنکشنل مسلم لیگ نے تو اپنے سیاسی وجود کا احساس دلایا ہے۔ اعجاز الحق کی ضیا شہید مسلم لیگ نے بھی قومی کی ایک اور صوبائی اسمبلی کی دو نشستیں حاصل کر لی ہیں۔ ارباب رحیم کی پیپلز لیگ نے بھی تھر کے علاقے میں اپنا سیاسی اثر و رسوخ برقرار رکھا ہوا ہے۔ یہ خوش آئند ہے کہ ان تمام مسلم لیگی دھڑوں نے (ن) لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ ان تمام مسلم لیگی دھڑوں کا ایک نعرہ ہے۔ ''پاکستان بنایا تھا، پاکستان بچائیں گے'' مگر وہ یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ پاکستان مسلم لیگ کے کئی دھڑوں نے نہیں، ایک مسلم لیگ نے بنایا تھا۔

اس مضمون کے شروع میں ہم نے داخلی سیاست کے موضوع سے پہلے افغانستان کا ذکر کیا تھا کہ امریکہ وہاں سے جلد نکل رہا ہے۔ بعد کی داخلی تمہید کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس وقت ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ ایک پلیٹ فارم سے متحد ہوکر پاکستانی قوم کا واضح موقف دنیا کے سامنے لاسکتی ہے۔ اس تحریر کے منظر عام پر آنے تک ممکن ہے نواز شریف وزیر اعظم کا حلف اٹھا چکے ہوں۔ اس وقت سب سے زیادہ اہم سیاسی اور عسکری قیادت میں ہم آہنگی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی پلیٹ فارم پر مسلم لیگوں کا اتحاد پاکستانی قوم کے موقف کو زیادہ جان دار طریقے سے دنیا کے سامنے پیش کر سکے گا۔

***

انتخابات 2013ء



پاکستان میں گیارہ مئی 2013ء کے عام انتخابات نے کامیاب ہونے والوں اور شکست کا سامنا کرنے والوں کو ایک بہت بڑے امتحان میں مبتلا کر دیا ہے۔ کامیاب ہونے والوں کو زرداری اینڈ کمپنی کا بچا کھچا پاکستان چلانا ہے اور اسے مسائل کے گرداب سے نکالنا ہے جو ظاہر ہے کوئی آسان کام نہیں۔ سولہ ہزار ارب روپے کے بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا پاکستان کسی بھی جماعت کو تخت سے تختہ دار تک لے جاسکتا ہے اور بڑے بڑے دعوے کرنے والوں نے اگر عوام کو مایوس کیا تو پھر ایک اور قوت میدان میں آسکتی ہے۔ یہ قوت کب اور کہاں سے آئے گی، اس حوالے سے کچھ کہنا ابھی قبل از وقت ہے۔ حکومت کا تجربہ رکھنے والے اور نیا پاکستان بنانے والے، پاکستان کو کھانے والے اور پاکستان کو بگاڑنے والے، سب اپنے اپنے حصے کے مطابق حکومت میں حصہ حاصل کر رہے ہیں جس کے بعد کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے گا کہ انھیں موقع نہیں دیا گیا۔ گیارہ مئی کے انتخابات میں جہاں پاکستان مسلم لیگ (ن) مرکز اور پنجاب میں ایک بڑی سیاسی جماعت کے طور پر سامنے آئی ہے، وہیں تحریک انصاف کو بھی توقعات سے کہیں بڑھ کر نشستیں ملی ہیں، تاہم پاکستانی قوم صدر آصف علی زرداری کی شکر گزار ہے کہ انھوں نے پاکستان پیپلز پارٹی سے قوم کی جان چھڑا دی ہے۔ وہ جماعت جسے بڑی بڑی سیاسی تحریکیں، بڑے بڑے آمر اور تمام مخالفین متحد ہوکر ختم نہ کر سکے، صدر آصف علی زرداری نے تن تنہا اس کو زندہ درگور کر دیا ہے۔ سسرالی پارٹی سے اس سے بڑھ کر اور کوئی انتقام نہیں ہوسکتا تھا۔ صدر آصف علی زرداری نے پیپلز پارٹی کو سندھ تک تو محدود کر دیا ہے، آگے پی پی پی کی قسمت۔





تجزیہ... خالد سیال

تحریک انصاف ہیرو بن سکتے ہیں

تحریک انصاف گیارہ مئی کے انتخابات میں ایک بڑی سیاسی قوت بن کر ابھری ہے، اس میں عمران خان کی مسلسل محنت اور کوشش کے علاوہ کچھ دیگر عوامل بھی کارفرما ہیں اور صدر آصف علی زرداری کی مہربانیاں بھی رنگ لائی ہیں۔ گو زرداری کا اصل پلان تو کامیاب نہیں ہوا لیکن تحریک انصاف کو ایک صوبے کی حکومت ملنے کے ساتھ ساتھ قومی اسمبلی کے اندر تیسری بڑی پارٹی کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ تحریک انصاف کو تاریخ ساز کامیابی دلوانے کے لیے کچھ خفیہ ہاتھوں اور اداروں نے اپنے طور پر کوششیں کیں اور پی ٹی آئی کے چہرے کو سرخی پاؤڈر لگا کر بہتر بنانے کی کوشش بھی کی لیکن ایک انتہائی طاقتور شخصیت کی بروقت مداخلت سے یہ تحریک ماند پڑ گئی اور پی ٹی اے کے جلسوں میں وہ رنگ باقی نہ رہا جو مسلسل بھرا جا رہا تھا۔ یہ بات تو اب ظاہر ہو چکی ہے کہ صدر زرداری نے کچھ مخصوص حلقوں میں کھل کر زر و جواہر کا کھیل کھیلا تا کہ مسلم لیگ (ن) کے ووٹوں کو تقسیم کر دیا جائے اور میاں نواز شریف وزیر اعظم بننے کے لیے پیپلز پارٹی کی شرائط تسلیم کر لیں، جن میں سے سب سے پہلی اور اہم شرط زرداری کو دوبارہ صدر تسلیم کرنا بھی تھا۔ اسی حکمت عملی کے تحت مسلم لیگ (ن) کے مخالف امیدواروں پر سرمایہ کاری کی گئی اور آخری روز فردوس عاشق اعوان تحریک انصاف کے امیدوار کے حق میں دستبردار ہو گئیں۔ ان کے علاوہ کچھ سرکاری ادارے بھی اس کوشش میں رہے کہ کسی بھی پارٹی کو اتنی زیادہ اکثریت حاصل نہ ہو کہ وہ تنہا حکومت بنا سکے۔ یہ منصوبہ سازی خیبر پختونخواہ اور سندھ میں تو کامیاب رہی مگر پنجاب میں کوشش بسیار کے باوجود مسلم لیگ (ن) کے مینڈیٹ کو چرانا مشکل ہو گیا۔ اور یوں صدر آصف علی زرداری کا ایک اور ٹرم کے لیے صدر بننے کا منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ وہ لوگ اور ادارے بھی ہاتھ ملتے رہ گئے جو مستقبل میں اپنی مرضی کی حکومت بنانے اور اسے اپنی انگلیوں پر نچانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

تحریک انصاف کا ایک بڑی قوت بن کر سامنے آنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ وہ کراچی میں ایم کیو ایم کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑی ہو گئی ہے۔ تحریک انصاف نے سندھ میں گو اتنی زیادہ نشستیں تو حاصل نہیں کیں مگر کراچی میں اس نے ایم کیو ایم کی اجارہ داری ختم کر دی ہے۔ تحریک انصاف کے امیدواروں نے حیران کن حد تک ووٹ حاصل کیے اور ایم کیو ایم کی غنڈہ گردی اور دھاندلی کے باوجود تحریک انصاف کے امیدواروں کو پڑنے والے ووٹوں نے سیاسی حلقوں اور تجزیہ نگاروں کو حیران کر دیا ہے۔ 250-11 سے تحریک انصاف کے کامیاب ہونے والے امیدوار عارف علوی بڑی بہادری کے ساتھ ایم کیو ایم کے سامنے کھڑے ہوئے اور ایک پختہ کار لیڈر کے طور پر ابھرے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایم کیو ایم کے لیڈر الطاف حسین آج کل بہت پریشان ہیں اور نہ جانے اس پریشانی میں کیا کیا ان کے منہ سے نکل رہا ہے۔ الطاف حسین نے پہلی بار انکشاف کیا ہے کہ ان کی پارٹی کی رابطہ کمیٹی کے ارکان ان کی بات نہیں مان رہے اور انھیں اپنی حیثیت کا علم ہو گیا ہے۔

گیارہ مئی کے انتخابات جیسے بھی ہیں وہ



بہرحال آمریت سے بہتر ہیں اور ضرورت اس امر کی ہے کہ جس جماعت کو جہاں اکثریت حاصل ہوئی ہے اس کے مینڈیٹ پر شب خون مارنے سے گریز کیا جائے اور اپنے اپنے مینڈیٹ کے مطابق تمام جماعتوں کو اپنی کارکردگی عوام کے سامنے پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔

میاں نواز شریف کو چاہیے کہ وہ مرکز اور پنجاب پر توجہ دیں اور بلوچستان اور باقی تمام صوبوں میں جس جس جماعت کو اکثریت حاصل ہے ، اسے حکومت کرنے دیں۔ بلوچستان میں مسلم لیگ (ق) کے ساتھ مل کر حکومت بنانے سے نواز شریف کو مشکلات کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ مسلم لیگ (ق) کے کامیاب ہونے والے ارکان کی ڈوریاں کہیں اور سے ہلائی جاتی رہیں گی، تاہم میاں صاحب بلوچستان میں ایک آزادانہ قائم ہونے والی حکومت کے ساتھ مرکز سے ورکنگ ریلیشن شپ قائم کر کے مثبت اشارے دے سکتے ہیں اور بلوچوں کے دِل جیت سکتے ہیں۔

انتخابات کے اگلے روز ہی مولانا فضل الرحمٰن نے میاں نواز شریف کو خیبر پختونخواہ میں حکومت بنانے کے لیے تعاون فراہم کرنے کا جھانسہ دیا مگر نواز شریف اس چال سے بڑی حکمت کے ساتھ بال بال بچ گئے ہیں۔ اللہ کرے کہ وہ مرکز میں بھی مولانا کے تعاون سے محفوظ رہیں۔ میاں نواز شریف اور عمران خان اپنے اپنے دائرہ کار میں مثالی اور آئیڈیل حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو انھیں مولانا فضل الرحمان کی حکمت اور تدبر سے دامن بچا کر حکومت کرنا ہوگی۔ نواز شریف تو مولانا کے جھانسے سے بچ گئے ہیں۔ آنے والے دنوں میں مولانا ملک وقوم کے وسیع تر مفاد اور تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى کی بنیاد پر عمران خان کو بھی یہ پیشکش کر سکتے ہیں کہ انتخابات میں جو کچھ کہا سنا اسے فراموش کر کے ہمیں مل کر چلنا چاہیے۔ مولانا خودکش حملے رکوانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی بات بھی کر سکتے ہیں۔ اس مرحلے پر عمران خان مولانا سے یہ کہہ کر جان چھڑا سکتے ہیں کہ حضور ! آپ کا قاروہ آصف علی زرداری صاحب سے ملتا ہے، اگر آپ سندھ میں کوئی کردار ادا کر سکیں تو یہ ملک و قوم کی بڑی خدمت ہوگی۔ مولانا فضل الرحمان کے سیاسی تدبر، دور اندیشی اور اصول پسندی کو داد دینا چاہیے کہ وہ مختلف فکر، مختلف نظریات کے افراد کے ساتھ بیک وقت تعاون کر سکتے ہیں لیکن ان کا حکومت میں ہونا شرط اول ہے۔

اسی اصولی سیاست کے تحت انھوں نے بے نظیر بھٹو، جنرل (ر) پرویز مشرف، چوہدری شجاعت، پرویز الٰہی، ظفر اللہ جمالی، شوکت عزیز اور صدر آصف علی زرداری کے ساتھ تعاون جاری رکھا۔ ایم ایم اے کی عصمت پر مولانا نے اتنے حملے کیے کہ بیچاری اب تک کراہ رہی ہے۔ میاں محمد نواز شریف مولانا کی اصولی سیاست سے پہلو بچا کر نکل جائیں تو بہتر ہے اور تمام صوبوں میں سیاسی مینڈیٹ کے احترام میں ان کی کامیابی ہے۔

میاں محمد نواز شریف ان سطور کی اشاعت تک تیسری بار پاکستان کے وزیراعظم کے طور پر حلف اٹھا چکے ہوں گے۔ میاں محمد نواز شریف کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ گزشتہ تیرہ چودہ برسوں کے دوران میں وہ جن مشکلات سے دوچار ہوئے اور ماضی میں انھوں نے حکومت کے دوران جو غلطیاں کیں ان کا ازالہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک سنہری موقع عطا کیا ہے، میاں محمد نواز شریف تقریباً پندرہ برس کے طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد تیسری بار وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھنے والے ہیں، یقیناً ان کے پاس تجربہ بھی ہے، جذبہ بھی ہے، افرادکار بھی ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اب محض معصومیت اور کھوکھلے نعروں سے عوام کو بے وقوف نہیں بنایا جاسکے گا۔ انھوں نے ماضی میں کئی بار پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے وعدے کیے ، وہ اپنے ان وعدوں کو عملی جامہ پہنا کر تادیر حکومت کے مزے بھی لوٹ سکتے ہیں اور پاکستانی عوام کے دلوں میں گھر بھی کر سکتے ہیں۔ پاکستان کے قیام کا واحد مقصد یہاں اسلام کا آفاقی نظام نافذ کرنا تھا، اگر نواز شریف حکومت اس حوالے سے پیش رفت کر کے شریعت محمدی کو من وعن نافذ کر دے تو ان شاء اللہ پاکستان کی زمیں اپنے خزانے اگل دے گی اور قوم نواز شریف کو اپنا ہیرو تسلیم کر لے گی لیکن اگر اب بھی وہ اس جانب کوئی عملی قدم اٹھانے سے گریز کرتے رہے تو پھر ایک اور قوت کو آنے سے کوئی نہ روک سکے گا۔

***